اسلام کا قانونِ تجارت

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور ○ (الحج ۴۱)

تألیف

مولانا ڈاکٹر نور محمد غفاری

مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

سلسلہ مطبوعات مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری ۲۲

اسلام کا قانونِ تجارت

الذین ان مکنھم
فی الارض اقاموا الصلوۃ
واتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف
ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ
الامور

تالیف

مولانا ڈاکٹر نور محمد غفاری

شائع کردہ
مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری
نسبت روڈ لاہور

- نام کتاب : اسلام کا قانون تجارت

- مصنف : جناب ڈاکٹر نور محمد غفاری

- شائع کردہ : مرکز تحقیق (ریسرچ سیل) دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور۔

- قیمت : ......

- طابع : میاں عبدالماجد

- باہتمام میاں جاوید اقبال مینجر امپرنٹ آفسٹ پرنٹرز ۸ ایبٹ روڈ لاہور

- فون نمبر: ۲۲۴۳۶۵

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ
مقدمہ	۸
عرض مؤلف	۱۱
باب ۱ — تجارت	۱۵
فصل اوّل: معنی اور مفہوم	۱۵
فصل دوم: تجارت کی اہمیت	۱۷
۱۔ تجارت قرآن مجید کی روشنی میں	//
۲۔ تجارت احادیث نبویہ کی روشنی میں	۲۱
۳۔ صحابہؓ کی تجارتی سرگرمیاں	۲۳
۴۔ فقہاء کرام کی آراء	۲۶
باب ۲ — تجارت کی اسلامی تاریخ	۲۸
فصل اوّل: قبل از اسلام عربوں کی تجارت	۲۸
قریش مکہ کے تجارتی سفر	۲۹
قریش تاجر قوم	۳۱
قریش کے تجارتی قافلے	۳۳
اہل مکہ کی درآمدات و برآمدات	۳۴
قریش کے تجارتی معاہدے	۳۴
عہدِ جہالت کے سِکے	۳۷
عہدِ جہالت کا نظامِ زر	۳۹
عہدِ جہالت کے اوزان و پیمانے	//
دورِ جہالت کی چند تجارتی شکلیں	۴۱
فصل دوم: مسلمانوں کی تجارتی ترقیات	۴۴
مسلمانوں کی تجارتی گذرگاہیں	۵۱
مسلمان تجار اور اشاعت اسلام	۵۵
باب ۳ — تجارت کے اسلامی اصول	۵۹
فصل اوّل: چند تجارتی ضوابط	۵۹
۱۔ عقیدہ اور اخلاق	//
۲۔ تجارتی آزادی	۶۳
۳۔ ذخیرہ اندوزی کی حرمت	۶۴
۴۔ حرمت سود	۶۹
۵۔ ملاوٹ اور دھوکہ دہی کی حرمت	۷۱

عنوانات	صفحہ
۶- جُوا، سٹہ بازی کی ممانعت	۷۲
۷- ناپ تول میں کمی کی ممانعت	۷۴
۸- قسمیں کھانے کی ممانعت	۷۷
فصل دوم: تجارتی معاہدہ کے ضوابط	۷۸
۱- اہلیت معاہدہ	۷۹
۲- تعاون باہمی	۸۰
۳- باہمی رضامندی	//
۴- حلت، اطاعت الٰہی اور مخلوقِ خدا کی خیر خواہی -	۸۱
باب ۴ —— احکام بیوع	
فصل اوّل: بیع کے ارکان اور شروط	۸۴
بیع کی تعریف	//
ارکان اور شروط	//
۱- ایجاب وقبول	۸۵
۲- عاقدین	۸۷
مکروہ کی بیع	۸۸
عقد تلجئہ	//
۳- معقود علیہ	//
مبیع	۸۹
ثمن	۹۰

عنوانات	صفحہ
فصل دوم: بیع میں خیار کے مسائل	۹۱
۱- خیار شرط	۹۱
خیار شرط کی مدت	۹۲
خیار شرط کے مسائل	۹۳
۲- خیار رؤیت - مسائل	۹۴
۳- خیار عیب - مسائل	۹۵
فصل سوم: اقسام بیوع کا اجمالی تعارف	۹۶
ا- ایجاب وقبول کے اعتبار سے	//
۱- بیع نافذ	//
۲- بیع موقوف	//
۳- بیع فاسد	۹۷
۴- بیع باطل	//
ب- مبیع کے اعتبار سے	//
۱- بیع مقایضہ	//
۲- بیع صرف	//
۳- بیع سلم	۹۸
۴- بیع مطلق	//
ج- قیمت یا تجارتی نفع ونقصان کے اعتبار سے	//
۱- بیع مرابحہ	//

عنوانات	صفحہ
۱- بیع مرابحہ	۹۸
۳- بیع تولیہ	〃
۴- بیع ضیعہ	〃
مالکیہ اور شوافع کے نزدیک بیع کی اقسام	۹۹
۱- بیع صحیح	〃
۲- بیع فاسد	〃
فصل چہارم: بیع مرابحہ اور بیع سلم	〃
تعریف	〃
احکام	۱۰۰
بیع سلم	۱۰۱
تعریف	〃
احکام شرائطِ سلم	۱۰۳
۱- شرائط العقد	〃
۲- شرائط رأس المال	〃
۳- شرائط مسلم فیہ	۱۰۴
فصل پنجم: قبضہ سے پہلے مبیع میں تصرف کے احکام	۱۰۶
۱- منقولہ اشیاء	〃
۲- غیر منقولہ اشیاء	۱۰۸
فصل ششم: مبیع کے مرافقات اور حقوق	〃
فصل ہفتم: چند اشیاء کی بیع کے مسائل	۱۰۹

عنوانات	صفحہ
۱- پھلوں کی بیع	۱۰۹
۲- گھاس کی بیع	۱۱۱
۳- غصب شدہ مال کی بیع	〃
۴- ارض الاکارہ کی بیع	۱۱۲
فصل ہشتم: اقالہ	〃
معنی ومفہوم	〃
اقالہ کے الفاظ	۱۱۳
اقالہ کے مسائل	〃
فصل نہم: بیع مکروہ	۱۱۴
اقسام ومسائل	〃
فصل دہم: بیع فاسد	۱۱۶
مفہوم	〃
بیع فاسد اور بیع باطل میں فرق	۱۱۷
بیع فاسد کی چند اقسام	۱۱۸
بیع فاسد کے احکامات	۱۲۲
باب ۵ — تجارت کے پسندیدہ طریقے	۱۲۵
۱- شرکت	〃
شرائط شرکت	۱۲۶
۱- شرکت مفاوضہ	۱۲۸

عنوانات	صفحہ
۲۔ شرکت عنان	۱۲۹
۳۔ شرکت صنائع	″
۴۔ شرکت وجوہ	۱۳۰
۔ مضاربت	″
شرائط مضاربت	۱۳۲
مضارب کے اختیارات اور ذمہ داریاں	۱۳۳
معاہدہ مضاربت توڑنے کی صورتیں	۱۳۴
ب ـــ تجارت کے متفرق مسائل	۱۳۵
۱ ـــ قرض یا ادھار	″
ا۔ قرضخواہ یا ادھار دہندہ کیلیے تعلیمات	۱۳۶
ب۔ مقروض یا ادھار لینے والے کیلیے تعلیمات	۱۳۸
۲۔ رہن	۱۴۴
قواعد وضوابط	۱۴۵
۳۔ دیوالیہ اور قرقی	۱۴۶
۴۔ قیمتوں پر کنٹرول	۱۴۹
تعارف	″
قیمتوں پر کنٹرول کے نقصانات	۱۵۲
فقہاء امت کی آراء	۱۵۳
غبن فاحش	۱۵۵
۵۔ نظام حسبہ	۱۵۷
۶۔ تجارتی سود	۱۶۵
تجارت اور سود میں فرق	۱۶۸
ربوٰا کی دو بڑی قسمیں	۱۷۰
ا۔ ربوٰا نسیّہ	″
۲۔ ربوٰا الفضل	۱۷۱
مبادلاتِ خارجہ	۱۷۲
تجارتی سود کا رواج زمانہ جہالت اور عہد رسالت میں تھا	۱۷۳
ا۔ بنو عمرو کا بنو مغیرہ پر سود	۱۷۴
۲۔ بنو ثقیف کے تجارتی قرضے	۱۷۶
۳۔ امام قرطبیؒ کی تفسیر	۱۷۷
۴۔ حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا ایک تاجر پر تجارتی قرضہ اور سود	″
۵۔ ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیانؓ کا تجارتی قرضہ۔	۱۷۸
۶۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں کا تجارتی قرضہ	″
عصرِ حاضر سے ایک دلیل	۱۷۹

عنوانات	صفحہ
اشتہار بازی دمعاشی معاشرتی نقصانات	۱۸۰
باب ۷ — تجارت خارجہ	
تجارت خارجہ کی ضرورت	۱۸۸
تجارت خارجہ کے نظریات	۱۸۹
۱۔ آزادانہ تجارت کا نظریہ	〃
۲۔ محفوظ تجارت کا نظریہ	۱۹۰
اسلام آزادانہ تجارت کا حامی ہے	〃
۱۔ عالم اسلام کا مکمل تجارتی اتحاد ہو	۱۹۱
۲۔ غیر مسلم ممالک سے تجارتی پالیسی	۱۹۳
تجارت خارجہ کے چند ضوابط	۲۰۰

عنوانات	صفحہ
باب ۸ اموال تجارت کی زکوٰۃ	۲۰۴
اموال تجارت کیا ہیں؟	〃
نصاب	
اموال تجارت کی زکات کا وجوب	۲۰۵
ا۔ قرآن مجید سے استدلال	〃
ب۔ حدیث سے استدلال	۲۰۶
ج۔ آثار صحابہؓ وتابعینؒ	۲۰۷
اموال تجارت کی زکاۃ کے مسائل	۲۰۹
مصادر ومراجع	۲۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اسلام میں جس طرح عبادات و فرائض پر زور دیا گیا ہے۔اسی طرح اس دین نے کسبِ حلال اور طلبِ معاش کو بھی اہمیت دی ہے۔یہی وجہ ہے کہ سورۃ المزمل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے "وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" کو ایک ساتھ ذکر فرمایا۔گویا تجارت کے لیے سفر کرنے والے مجاہد فی سبیل اللہ کے مثل ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: التاجر الصدوق یحشر یوم القیامۃ مع الصدیقین و الشہداء۔ بذات خود تجارت کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔یا آپؐ کا ارشاد احل ما اکل الرجل من کسبہ وکل بیع مبرور سے تجارت کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔

آج سے چودہ سو برس پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "علیکم بالتجارۃ ان فیھا تسعۃ اعشار الرزق" اور یہ عجیب بات ہے کہ آج کی مہذب ترقی یافتہ دنیا میں بھی حتمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک بے غل وغش ستارے کی طرح دمک رہا ہے۔دنیا کی وہی قومیں آج ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہیں جو تجارت میں آگے ہیں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کو بطور پیشے کے اپنایا اور آپ کے اکثر و بیشتر صحابہ کرام کا محبوب مشغلہ بھی تجارت تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت

عثمان غنی، حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور ان جیسے ہزاروں صحابہ کرام تجارت پیشہ ہی تھے۔ امتِ مسلمہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اسوہ حسنہ موجود ہے اور آپؐ کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بزرگانِ دین کی پاک زندگیاں ہمارے لیے معیارِ حق ہیں۔ اس لیے یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اکلِ حلال اور کسبِ معاش کا عمل آج کے دور میں بھی تجارت کے ذریعے پورا کیا جاسکتا ہے۔

تجارت کی یہ ساری فضیلتیں اور تاجروں کے یہ سارے مرتبے جو قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے ہیں حکم کے اعتبار سے عام نہیں بلکہ ضروری ہے کہ تجارت ہر قسم کی فریب کاری، احتکار، استحصال، جھوٹ، مکاری، ملاوٹ، سٹہ اور ان ناپسندیدہ عناصر سے پاک ہو جو اس مقدس ترین ذریعہ معاش کو ناپاک بنا دیتے ہیں۔ انبیاء و صدیقین کے ساتھ یومِ محشر سارے تاجر نہیں ہوں گے بلکہ صادق وامین تاجروں کو یہ اعزاز نصیب ہوگا۔

اسلام چونکہ ایک دین اور مکمل نظامِ حیات ہے اس لیے اس نے جہاں ہر شعبۂ حیات کے لیے قوانین وضع کیے ہیں تجارت کے لیے بھی ضابطے اور قوانین ہیں اور اگر کوئی آدمی تعمق نظری سے قرآن وسنت اور کتبِ فقہیہ کا مطالعہ کرے تو اسے اندازہ ہوگا کہ ہمارے علمی سرمایہ میں نہ صرف ماضی کے مسائل کا حل موجود ہے بلکہ ہم ماضی کے قوانین کی روشنی میں دورِ جدید کے پیچیدہ ترین تجارتی مسائل کو بھی قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرسکتے ہیں۔

مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری ابتدا ہی سے اسلامائزیشن کے عمل میں علمی سطح پر حکومت کے ساتھ تعاون کر رہا ہے چنانچہ اس ادارے نے "اسلامی

حدود" اسلام کا قانون شہادت"، "اسلامی قانون محنت واجرت"" "اسلامی نظام عدل"، "اسلامی نظام عشر" جیسے موضوعات پر کتابیں شائع ہو چکی ہیں ۔ زیر نظر کتاب "اسلام کا قانون تجارت" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ ہمیں فخر اور مسرت ہے کہ ملک کے موقر ماہر معاشیات جناب ڈاکٹر نور محمد غفاری کا علمی و قلمی تعاون ہمیں حاصل ہوا ہے جس کی بدولت بفضلہ تعالیٰ ہم "اسلام کا قانون تجارت" نامی کتاب شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں ۔ فاضل مصنف نے اس کتاب میں تجارت کے تمام قدیم قوانین کا جائزہ لیا ہے اور دور جدید میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں انہیں قدیم فقہی جزئیات کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کی ہے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ قانون تجارت کے موضوع پر اردو زبان میں یہ پہلی اور مفید ترین کوشش ہے ۔ اور ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ قانون سازی کے عمل میں یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی ۔ اس کے بعد انشاء اللہ ہم بہت جلد اسلام کا قانون محاصل (ٹیکس) کے موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف ہی کی تصنیف پیش کریں گے ۔ یہ کتاب فی الحال کتابت کے مراحل سے گذر رہی ہے ۔

ہم اخیر میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب موصوف کو صحت و سلامتی کے ساتھ طویل زندگی عطا فرمائے ۔ تاکہ قوم و ملت کو زیادہ سے زیادہ ان سے فیضیاب ہونے کا موقع ملے ۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

سید محمد متین ہاشمی
ڈائریکٹر مرکز تحقیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مؤلف

تمام تعریفیں اللہ کریم کے لیے ہیں جو اپنے کمزور بندوں کا اکیلا ہی سہارا ہے۔ وہ اتنا کریم اور قدیر ہے کہ اگر وہ چاہے تو ناممکن کو ممکن بنا دے دنیا کے مشکل ترین کام کو آسان کر دے اور وہ نہ چاہے تو بے چارہ انسان کوئی آسان سے آسان کام بھی انجام نہ دے سکے۔ اَن گنت درود و سلام ہوں اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت پر جن کی بدولت کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ ہدایت نصیب ہوئی اور کامیابی و کامرانی کا راستہ نظر آیا۔

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے یہ اسلام کے قانونِ تجارت کو بیان کرنے کی ایک کوشش ہے اس کوشش میں مجھے کس قدر کامیابی ہوئی ہے۔ اس کا فیصلہ آپ کریں گے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے بہت زیادہ غلطیاں کی ہیں۔ بہت سی آراء قائم کرنے میں میں نے جلد بازی سے کام لیا ہے بہت سی باتیں بیان کرنا تھیں جنہیں میں نے بیان نہیں کیا اور میری کوتاہ نگاہ سے وہ اوجھل رہیں آپ اسے پڑھ کر میری رہنمائی فرمائیں گے تو آئندہ ایڈیشن میں ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کروں گا۔

ایک اطمینان مجھے ضرور ہے کہ یہ اس موضوع پر غالباً پہلی کتاب ہے کیونکہ مجھے "اسلام کے قانونِ تجارت" پر آج تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملی جو خالصتاً اس عنوان پر لکھی گئی ہو۔ اس طرح میں اپنے ان مخلص دوستوں کے طعنوں سے بھی بچ جاؤں گا جو ایسی تحقیق کے خلاف ہیں

جس کے نتیجہ میں کتاب سے کتاب بنتی جاتی ہے۔ گو ہمارے فقہاء کرام نے کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصولوں کی روشنی میں اپنی کتب فقہ میں اسلام کے قانونِ تجارت و بالتفصیل بیان کیا ہے مگر ان علمی جواہرات کو جدید دور کی جدید رسی میں اسطرح پرونا کہ ان کی چمک دمک ماند نہ پڑے بلکہ انہیں اس سلیقہ سے پرو کر خوبصورت ہار کی شکل دی جائے کہ انسان انسان کے تراشے ہوئے لادینی نظاموں کے دیئے ہوئے جھوٹے نگوں کی مالا کو جھٹکا دے کر قرآن و سنت کے دمکتے ہوئے سچے موتیوں کے ہار کو اپنے گلے کا سنگھار بنائے۔ میں نے ان تابدار جواہرات کو پرونے کی کوشش کی ہے مگر مجھے ڈر بلکہ یقین ہے کہ مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا پورا پورا اندازہ ہے۔

ے من کجا و نغمہ کجا ساز سخن بہانہ ایست

سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

اللہ کریم کی ذات سے امید ہے کہ میرے اس خاکہ میں کوئی اسلام کا مخلص عالم ایک ایسی کتاب ترتیب دے سکے گا جو اسلام کے قانونِ تجارت کو پوری طرح واضح کر دے وما ذالك على الله بعزيز۔ بہرحال، میں اپنے آپ کو خوش قسمت خیال کرتا ہوں کہ اللہ کریم نے محض اپنا کرم کر کے مجھ ناکارہ کو "اسلام کا قانونِ تجارت" کے عنوان کا نقش اولین پیش کرنے کی سعادت بخشی۔

ع شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

میں اپنے بزرگ مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب ڈائریکٹر شعبہ تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور کا شکر گزار ہوں جو اس کارِ خیر کے وجود کا ذریعہ بنے۔ گو اسلام کے قانون تجارت پر کچھ لکھنے کا میرا ارادہ کافی عرصہ سے بن رہا تھا، اس کی وجہ اسلام آباد سے چند اہل علم دوستوں کا تقاضا تھا کہ اس موضوع پر کوئی کتاب ہونا چاہیئے۔ مگر جب جون ۱۹۸۵ میں دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری کے شعبہ تحقیق کی ریسرچ کونسل کے اجلاس میں بندہ کو بھی بلایا گیا تو یہ کام میرے سپرد کر دیا گیا۔ جسے بعد میں بین الاقوامی

اسلامیہ یونیورسٹی) اسلام آباد کے ڈائریکٹر جنرل جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب کی منظوری بھی حاصل ہو گئی۔ اس منظوری کی ضرورت اس لیے پڑی کہ میں اس ادارہ کا ملازم ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کتاب میں مذکورہ خیالات نظریات میرے اپنے ہیں ادارہ ان کا کسی طرح ذمہ دار نہیں۔

یہ کتاب چھوٹے بڑے آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، بعض ابواب کو مضمون کے تجزیہ اور مواد کی ترتیب کی خاطر کئی فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب تجارت کے مفہوم اور اس کی اہمیت پر ہے دوسرا باب تجارت کی اسلامی تاریخ پر ہے اس باب میں قبل از اسلام عربوں کی تجارتی سرگرمیوں۔ قریش کے تجارتی اسفار ان کے معاہدات اور اس دور کی چند ناجائز تجارتی شکلوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسی باب میں مسلمانوں کی تجارتی ترقیات، ان کی تجارتی گذرگاہوں اور اشاعت اسلام کے لیے ان کی عظمتِ کردار کے اثرات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

باب سوم میں تجارت کے اسلامی اصول بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں تجارتی ضوابط کے ساتھ ساتھ تجارتی معاہدہ کے اصول بھی درج کیے گئے ہیں۔

باب چہارم بیع کے احکام پر مشتمل ہے۔ اس باب میں بیع کے ارکان و شروط، بیع میں خیار کے مسائل، اقسام بیوع، بیع کی چند مخصوص اقسام مثلاً بیع سلم، بیع مراجح، بیع مکروہ، بیع فاسد اور اقالہ وغیرہ کے مسائل سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

باب پنجم کا موضوع بیع کے پسندیدہ طریقے" ہے۔ یہاں شرکت و مضاربت کے قواعد اور اصول موضوع بحث رہے ہیں۔

باب ششم میں تجارت کے ایسے موضوعات بیان کیے گیے ہیں جو کسی ایک عنوان کے تحت نہیں آسکتے تھے۔ تجارتی معاملات میں ان کی اہمیت کلیدی ہے مثلاً قرض یا ادھار، رہن، دیوالیہ اور قرقی، قیمتوں پر کنٹرول، تجارتی سود وغیرہا۔

باب ہفتم میں تجارت خارجہ کے مسائل کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ یہاں یہ

بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کی مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک کے ساتھ تجارتی پالیسی کیا ہوگی؛ باب ہشتم میں اموال تجارت کی زکاۃ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب میں بیمہ اور بنکاری کے نظام کو اس لیے شامل نہیں کیا گیا کہ موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت قائم شدہ یہ دونوں شعبے تجارتی کاروبار کی بجائے مالیاتی توسط (Financial Intermediation) کا کام کرتے ہیں یعنی وہ لوگوں کی بچتیں سود کے آلہ سے اپنے ہاں اکٹھی کرتے ہیں اور انہیں دوسرے لوگوں کو فراہم کرکے اس پر سود کماتے ہیں جس کا کچھ حصہ ان لوگوں کو بھی دیتے ہیں جو اپنا بچا ہوا روپیہ بنک اور بیمہ کمپنی کو دیتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام بیمہ کمپنیوں اور بنکوں کو تجارت سے کیا سروکار؟ البتہ اسلامی نظام میں بنک اور بیمہ کمپنی دونوں کا کام تجارت کرنا ہی ہوگا۔

اپنی عرض کو ختم کرنے سے قبل ایک بار پھر ارباب علم اور اصحاب قلم سے درخواست کرتا ہوں وہ اپنے عالمانہ مشورہ سے مجھے نوازیں تاکہ اس کتاب کی غلطیوں کی اصلاح کرسکوں۔

آخر میں اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ مجھ ناکارہ کی اس حقیر سی کوشش کو قبول کرکے خدمت دین کی خاطر بڑی کوشش کرنے کے لیے مجھے منتخب کرلے۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

اللہ کریم نے قیامت تک اپنے دین کو باقی رکھنا ہی ہے اور اپنے دین کی بقاء کے لیے وہ اپنے بندوں کو اس خدمت پر مامور فرماتا رہے گا۔ کیا اچھا ہو اس سعادت کے پانے والوں میں میرا شمار بھی ہوجائے۔

ع سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یارب صلّ وسلم دائما ابدا علی حبیبك خیر الخلق کلھم

اسلام کا ناکارہ خادم **نور محمد غفاری**

بروز شب جمعۃ المبارک ۱۸ جمادی الاوّل ۱۴۰۶ھ مطابق ۳۰ جنوری ۱۹۸۶ء

باب ۱

تجارت

فصل اوّل

معانی و مفہوم

تجارت کا عام فہم مفہوم بیع و شراء یعنی خرید و فروخت ہے مگر علماء اسلام نے تجارت کے فنی مفہوم کی وضاحت کے لیے مختلف انداز اختیار کیے ہیں۔ چند نظائر ملاحظہ ہوں۔

۱۔ التجارة، التصرف فی رأس المال طلبا للربح [۱]

ترجمہ: تجارت اصل (سرمایہ) میں اس طرح تصرف کرنے کا نام ہے جس سے منافع ہو۔

۲۔ اسی طرح کے الفاظ فرید وجدی نے تجارت کی تعریف میں لکھے ہیں۔

التجارة: الصرف فی المال لغرض الربح [۲]

ترجمہ: تجارت رأس المال (Capital) میں ایسے تصرف کو کہتے ہیں جس کی پشت پر نفع کمانے کا جذبہ کارفرما ہو۔

ان دونوں تعریفوں سے یہی مفہوم مترشح ہے کہ تجارت کا مقصد نفع کمانا ہے۔ گو جائز نفع کمانا

---

[۱] امام راغب اصفہانی: معجم مفردات الفاظ القرآن: لفظ تجر۔

[۲] فرید وجدی: دائرۃ معارف: ج ۲۔ بیروت ۱۹۷۱ء ص ۵۲۹

درست ہے مگر تجارت کا صرف یہی مفہوم متعین کرنا پیشہ تجارت کو اس کے عالی منصب سے گرانا ہے کیونکہ تجارت ایسے بابرکت کاروبار کا مدعا نفع کمانا ہی ٹھہرائیں تو پھر مذموم سرمایہ دارانہ ذہنیت کی راہیں کھل جائیں گی اور ہر تاجر کا مقصد اپنے نفع کو زیادہ سے زیادہ کرنا بن جائے گا۔ اس مذموم مقصد کے حصول کے لیے وہ ان تمام قبیح حرکات اور انسان کش افعال کا ارتکاب کرے گا جس سے اس کا منافع زیادہ سے زیادہ ہو مثلاً سودی کاروبار، ملاوٹ، دھوکہ دہی، کم تولنا، جھوٹ بولنا وغیرہ۔

اسلام کے عادلانہ معاشی نظام میں تجارت انسانوں میں باہمی تعاون اور خدمت خلق کی ایک بہترین صورت ہے جس کے ذریعے تجارت پیشہ افراد اپنے دوسرے ابنائے جنس کو اپنی پیدا کردہ یا تیار کردہ یا دور دراز سے لائی ہوئی اشیاء وخدمات بالعوض یا بالمبادلہ پیش کر کے تعاون باہمی کا ایک نظام قائم کرتے ہیں جہاں نفع کمانا ثانوی مقصد ہوتا ہے اور انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق اولین مقصد ہوتا ہے اس طرح تجارت وسائل حیاۃ میں سے ایک اہم وسیلہ کا درجہ رکھتی ہے اور عمران کی ترقی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

۳۔ ان التجارۃ فی ابسط معانیھا تبادل منافع [۱]

ترجمہ: تجارت اپنے عام فہم اور سادہ ترین مفہوم میں منافع کا تبادلہ ہے۔

یہ تجارت کی زیادہ جامع تعریف ہے۔ اس تعریف کی رو سے تجارت کا مقصد منافع جات اور فائدوں کا تبادلہ ہے۔ تجارت کا یہ مفہوم اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تجارت وجود میں اس لیے آئی کہ اس کرۂ ارضی پر بسنے والے تمام انسان اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے میں دوسروں کے محتاج ہیں۔ ہر شخص کسی نہ کسی شئے یا خدمت کے لیئے دوسرے کا محتاج ہے۔ ایک شخص جو نفع آور اشیاء تیار کرتا ہے یا رکھتا ہے وہ دوسرے کو نقدی کے عوض بیع یا تبادلہ میں دے کر اس سے اپنی ضرورت کی اشیاء اور خدمات حاصل کرتا ہے گویا یہ نفعوں کا تبادلہ ہے جو معاشرت اور معاش کی روح ہے جس کا

---

[۱] مجلہ: [illegible]

ذریعہ تجارت ہے۔

فصل دوم

تجارت کی اہمیت

تجارت قرآن مجید کی روشنی میں :

کتاب اللہ میں ایسے متعدد نظائر ہیں جن سے تجارت کی اہمیت اور ترغیب پر روشنی پڑتی ہے۔ چند ملاحظہ ہوں۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ [1]

ترجمہ: پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (بذریعہ تجارت) تلاش اور حاصل کرو۔

اس آیت کریمہ میں "فضل" سے مراد طلب رزقِ حلال اور پاکیزہ مال ہے۔ مفسرین نے اس آیت کا شانِ نزول ترغیب تجارت قرار دیا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ [2]

ترجمہ: اپنے مالوں کو اپنے درمیان باطل کی راہ سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضا کے ساتھ تجارت کی راہ سے نفع حاصل کرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ کریم نے تجارت کو آپس میں تبادلہ کے ذریعے ایک دوسرے کا مال حلال طریقہ سے استعمال کرنے کی اجازت کہا ہے۔ گویا تجارت نام ہی حلال طریقہ سے کمانے اور کھانے کا ہے۔

---

[1] الجمعہ (۶۲): ۱۵

[2] النساء (۴): ۲۹

قرآن مجید نے ایک مقام پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک پہلو یہ بھی بتایا ہے کہ وہ بازاروں میں چلتا ہے اور چلتے کیوں نہ؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بازاروں میں چلنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کارِ نبوت میں تجارتی معاملات کی اصلاح کرنا بھی ہے اور اپنے عمل سے اُمت کو اس کی تبلیغ کرنا بھی ہے کہ تجارتی کاروبار کیونکر درست طریقہ پر چلایا جائے تاکہ وہ حلال کمائی اور باہمی تعاون کا ذریعہ بن جائے۔ نادانوں نے ان کے بازاروں میں چلنے پر اعتراض بھی کیا۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ [1]

ترجمہ: اور انہوں نے کہا بھلا یہ کیسا رسول ہے؟ یہ تو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں (تجارتی مراکز) میں آتا جاتا ہے۔

اللہ کریم نے اس لغو اعتراض (جو غالباً عیسائیت کی بگڑی ہوئی تعلیم رہبانیت سے متاثر ہو کر کیا گیا تھا) کا جواب دے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان کے بیہودہ اعتراض سے دل برداشتہ نہ ہوں آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام علیہم السلام تجارتی معاملات کی اصلاح کیلئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

مَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ [2]

ترجمہ: ہم نے آپ سے پہلے رسولوں کو نہیں بھیجا مگر وہ بھی کھانا کھاتے تھے اور تجارتی مراکز میں چلا پھرا کرتے تھے۔

اس آیت کریمہ سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے مقاصد نبوت میں تجارتی معاملات کی اصلاح کرنا بھی تھا۔

---

[1] الفرقان (۲۵) : ۷

[2] الفرقان (۲۵) : ۲۰

نزولِ قرآن کے وقت تجارت عموماً بری ہوتی تھی اور کہیں کہیں بحری تجارت کا بھی رواج تھا مگر بحری تجارت کو پُرخطر خیال کیا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے اس بظاہر پُرخطر مگر نفع بخش اور بین الاقوامی سطح پر تجارتی روابط کو زیادہ اُستوار کرنے والے ذریعہ تجارت بحری سفر کی ترغیب اس انداز میں دیتے ہوئے فرمایا:

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ [1]

ترجمہ: اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ سمندر میں پانی پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تلاش کریں اس کے فضل کو (بذریعہ تجارت یا پانی کے شکار سے)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ [2]

ترجمہ: اور کشتی میں جو سمندر میں سامان اُٹھائے تیرتی پھرتی ہیں، جس سے لوگوں کو تجارتی فائدہ ہوتا ہے۔

یہی مضمون سورۃ النحل (۱۶) کی آیت نمبر ۱۴ میں بھی مذکور ہے۔

ایک مقام پر عام بیوع (جو تجارت کے سبب سے وجود میں آتی ہیں) کی اباحت اور نتیجۃً ترغیب ان الفاظ میں دی۔

وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ [3]

ترجمہ: اللہ کریم نے بیع کو تو حلال کر دیا ہے۔

اسلام کے حکیمانہ نظامِ معیشت نے حج ایسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے سفر کے دوران بھی تجارتی اعمال کو جاری رکھنے کی اجازت دی ہے۔ اس کی حکمت غالباً یہی ہے کہ سفرِ حج جہاں مسلمان بندہ کے گناہوں کا میل کچیل دھو کر اس کے روحانی ارتقاء کا سبب بنتا ہے وہاں یہ سفر معاشی طور پر وسیلۂ ظفر بھی بنے

---

[1] فاطر (۳۵): ۱۲۔

[2] البقرۃ (۲): ۱۶۴

[3] البقرہ (۲): ۲۷۵

تاکہ مسلمان بندہ کی روحانی اور مادی دونوں ضروریات کی تکمیل ہوسکے (واللہ اعلم) قرآن مجید میں ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ [1]

ترجمہ: تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم (دورانِ سفرِ حج) اپنے پروردگار کا فضل بذریعہ تجارت تلاش کرو۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں موسم حج کے دنوں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجازیہ کے مقامات پر تجارتی بازار لگتے تھے جن میں مشرکین عرب اور دیگر زائرین خرید و فروخت کرتے تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوگئے تو انہوں نے موسم حج میں ان مقامات پر تجارتی کاروبار کو گناہ تصور کیا۔ جس کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی [2]

جب خلافت راشدہ کا زمانہ آیا اور مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی انتظامی اور جہاد فی سبیل اللہ کی مشغولیات بڑھ گئیں اور وہ تجارتی کاروبار کو بنفس نفیس نہ جاری رکھ سکے تو ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابوصالح رضی اللہ عنہ نے تعجب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا "امیرالمومنین! کیا آپ لوگ حج کے دنوں میں تجارت کیا کرتے تھے؟" آپ نے فرمایا "ہماری تو معاش ہی حج کے دنوں میں حاصل ہوتی تھی" [3]

قرآن مجید ـــــ جو علیم و خبیر کی کتاب ہے ـــــ نے روزِ اول ہی سے حضرت ابوصالح رضی اللہ عنہ ایسے ان اشخاص کے گمان کی تردید کر دی جو خیال کرتے ہیں کہ شاید تجارت اور حج (یا اسی طرح کی دیگر عبادات) ایک ساتھ نہیں چل سکتیں، لہٰذا ارشاد ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ [4]

---

[1] البقرۃ (۲): ۱۹۸

[2] امام بخاری: صحیح، کتاب البیوع، باب اول، آخری حدیث۔

[3] طبری: جامع البیان (تفسیر) ج ۲، ص ۱۶۰

[4] النور (۲۴): ۳۷۔

ترجمہ : (اللہ کریم کے) بندے تو ایسے بھی ہیں جن کو تجارت اور لین دین (کی مشغولیات) اللہ کریم کی یاد سے غافل نہیں کر سکتے۔

تجارت احادیث نبویہ میں : تجارت ہی وہ بابرکت اور باعزت پیشہ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف قبولیت سے نوازا۔ آپ نے اپنی بعثت مبارکہ سے قبل ۱۲ سال اس پیشہ کو عزت بخشے رکھی۔ قبل از نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت اور نیک نامی کی اصل وجہ بھی وہ معاملات کی صفائی اور سچائی تھی جو ان کے ساتھ تجارتی معاملات کرنے والوں نے دیکھی اور محسوس کی تھی۔ یہی وہ تجارتی دیانت تھی جو مکہ کی متمول ترین خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اُن صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالہ عقد میں لانے کا محرک بنی جبکہ آپ بصریٰ کی منڈی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت بیچ کر زیادہ منافع کما کر لائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔

علیکم بالتجارة، فان فیها تسعة اعشار الرزق [۱]

ترجمہ : تجارت کیا کرو، اس میں رزق کا $\frac{9}{10}$ حصہ ہے۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے۔

تسعة اعشار رزق امتی فی البیع والشراء، التاجر الصدوق مع کرام البررة۔ [۲]

ترجمہ : میری اُمت کے رزق کا $\frac{9}{10}$ فروخت و خرید (تجارت) میں ہے۔ سچا تاجر برگزیدہ فرشتوں کا ساتھی ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التاجر

---

[۱] علی المتقی: کنز العمال۔ ج ۲، ص ۱۹۲)

[۲] عبداللہ موصلی: اختیار شرح مختار، ج ۲، ص ۲۲۶

التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء [1]

ترجمہ: حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچے اور امانت دار تاجر کا حشر نبیوں (علیہم السلام)، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث مبارکہ میں سچے اور ایمان دار تاجر کو قیامت کے دن عزت و اکرام کی نوید سنائی گئی ہے، یعنی تجارت صرف دنیوی رفاہیت کا ذریعہ ہی نہیں، اس میں لگنے والا مخلص تاجر جو تجارت کو اُمت مسلمہ کی خیر خواہی کا ذریعہ بناتا ہے وہ روز قیامت بھی سرخسرو ہوگا۔

تجارت میں معاشی خوشحالی اور رفاہیت عامہ کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

"جو تجارت کرتا ہے، اس کے یہاں خیر و برکت اور رفاہیت ہوتی ہے۔" [2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارکہ میں ایسے تاجر کے لیے جو تجارت جیسا بابرکت پیشہ اختیار کرنے کے باوجود اللہ کریم کی مخلوق کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کا معاملہ کرنے کی بجائے اُنہیں نقصان پہنچا کر اپنے نفع کو زیادہ سے زیادہ کرنے کے لیے تجارت کے غیر شرعی اور غیر مفید حیلے اختیار کرے، اُسے وعید سناتے ہوئے فرمایا:

التجار یحشرون یوم القیامۃ فجارا الا من اتقیٰ و بر و صدق [3]

ترجمہ: قیامت کے دن تاجر فاسق و فاجر اُٹھیں گے۔ مگر وہ نہیں جنہوں نے پرہیز گاری، بھلائی اور سچائی سے کاروبار کیا۔

اسلامی شہروں میں تجارت کے مبادلہ کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ: جامع ترمذی ابواب البیوع۔

[2] کنز العمال، الفصل الثالث، فی انواع الکسب وآدابہ

[3] ترمذی، ابواب البیوع، مشکوٰۃ المصابیح، باب المساہلۃ فی المعاملۃ، حدیث نمبر ۹

نے فرمایا:

ما من جالب یجلب طعاما من بلد الی بلد فیبیعه بسعر یومه الا کانت منزلته عند الله منزلة الشهداء [1]

ترجمہ: جو تاجر مشقت اُٹھا کر ایک شہر سے دوسرے شہر تک اناج لے جاتا ہے اور اس دن کے بھاؤ سے فروخت کرتا ہے اُس کا درجہ اللہ کریم کے نزدیک شہید کا سا ہے۔

من جلب طعاما فباعه بسعر یومه فکانما تصدق به [2]

ترجمہ: جو تاجر مشقت اُٹھا کر لائے اور اس دن کے بھاؤ سے فروخت کرے تو یہ ایسا ہی جیسے اس نے صدقہ کیا ہو۔

کنز العمال کی ایک اور روایت میں تجارت ہی کو لوگوں کی معاشی خوشحالی اور رفاہیت کا ذریعہ بنایا ہے اور اس کے ترک کو معاشی طور پر قلاش ہونے اور لوگوں پر بوجھ بننے کا سبب بتایا۔

لولا هذه البیوع صرتم عالة علی الناس [3]

ترجمہ: اگر یہ تجارتیں نہ ہوتیں تو تم لوگ (معاشی طور پر) دوسروں پر بار بن جاتے۔

ایک حدیث میں کپڑے کی تجارت کی ترغیب دی۔

"کپڑے کی تجارت کرو کیونکہ کپڑے کا تاجر یہ چاہتا ہے کہ لوگ خوش حال اور فارغ البال رہیں"۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تجارتی سرگرمیاں

صحابہ کرام رضوان اللہ

---

[1] کنز العمال، ج ۲، فصل الکسب

[2] محولہ بالا

[3] محولہ بالا، ص ۲۱۷۔

علیہم اجمعین کی مبارک زندگیاں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف تھیں، ان کی غالب اکثریت نے اپنی معاشی کفالت کے لیے تجارت کو ذریعہ بنایا ہوا تھا، اہل مکہ اور مہاجرین مکہ تو پہلے ہی تاجر، اہل مدینہ منورہ کی بھی ایک بڑی تعداد تجارت پیشہ تھی۔ ہجرت مدینہ منورہ سے قبل مسلمانانِ مکہ تاجر تھے جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہوں نے تجارت میں مشغول رہنا ہی پسند کیا۔ تجارت سے ان کی وابستگی کا اندازہ اس سے لگائیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا بھائی چارہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ قائم کر دیا، حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے کریم النفسی سے کام لیتے ہوئے اپنے تمام گھریلو اثاثہ اور جائیداد کے دو حصے کر دیئے حتیٰ کہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک جسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پسند کریں طلاق دے کر ان کے سپرد کرنے پر آمادہ ہو گئے مگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انتہائی سخاوت نفس سے کام لیتے ہوئے عرض کیا: بھائی یہ سب کچھ آپ کو مبارک! مجھے مدینہ منورہ کے بازار کا راستہ بتا دو۔ وہ مدینہ منورہ کے بازار قینقاع تشریف لے گئے جب شام کو واپس گھر لوٹ رہے تھے تو ان کے پاس کچھ پنیر اور گھی تھا۔[۱]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مدینہ منورہ کے مقام سنح پر کارخانہ اور کپڑا کا گودام تھا۔ وہ شروع ہی سے کپڑے کے تاجر تھے حتیٰ کہ خلیفہ بننے کے اگلے روز چند چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار کا رخ کرتے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ راستہ روک کر کہتے ہیں اب آپ امتِ مسلمہ کی خدمت کریں وہ بیت المال کے ذریعے آپ کی کفالت کرے گی۔[۲]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تجارتی کاروبار حجاز سے نکل کر ایران تک پھیل گیا تھا۔[۳] حضرت

---

[۱] بخاری: کتاب البیوع۔ باب اول۔

[۲] ابن سعد: طبقات، ج ۳، ص ۱۳۱، ذکر ابی بکرؓ

[۳] احمد ابن حنبل: مسند، ج ۱، ص ۶۲۔ ج ۳، ص ۳۴۷۔

زبیر رضی اللہ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے اور ان کا کاروبار شام تک وسیع تھا[1] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی پارچہ فروشی کا کام کیا کرتے تھے[2] ابو سفیان رضی اللہ عنہ بن حرب تیل اور چمڑا فروخت کرتے تھے[3] حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ یمن سے عطر خرید لاتے اور موسم حج میں اُسے فروخت کرتے[4] حضرت عمرو ابن العاص اور حضرت عمارہ بن ولید رضی اللہ عنہما کا تجارتی معاملہ نجاشی حبشہ اور اس کے وزراء تک تھا[5] حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا تجارتی کاروبار یہاں تک ترقی کر گیا کہ جب ان کے تجارتی قافلے مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تو دھوم مچ جاتی فرید وجدی کے الفاظ قابل غور ہیں۔

حتی یروی ان عبد الرحمٰن بن عوف اذا دخلت العیر لحاملۃ لتجارتہ سمعت لھا ضجۃ بالمدینۃ[6]

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا کاروبار تجارت یہاں تک ترقی کر گیا کہ جب ان کا کوئی تجارتی قافلہ مدینہ منورہ میں داخل ہوتا تو شہر میں دھوم پڑ جاتی۔

ہجرت سے قبل مدینہ منورہ کی تجارت پر یہودی چھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے تجارتی منڈیاں اور کارخانے بنا رکھے تھے انصار رضی اللہ عنہم نے رنگ سازی، کپڑا بننا، آلات حرب بنانا اور دیگر دستکاریاں انہی سے سیکھی تھیں۔ جب اللہ کریم نے انصار رضی اللہ عنہم کو اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا تو تجارتی سربلندی بھی انہی کے حصہ میں آئی[7]

---

[1] فتح الباری، ج ۳، ص ۲۶۵

[2] ابن قتیبہ: کتاب المعارف، ص ۱۹۳، عنوان "ضاعات الاشراف"

[3] حوالہ بالا۔

[4] طبری: تاریخ، ص ۱۱۶۲

[5] فتح الباری: ج ۳، ص ۴۶۹

[6] فرید وجدی: دائرۃ المعارف، ج ۲، ص ۵۴۱

[7] ... ۱۳۴۹ھ

فقہاء اُمّت کی آراء : فقہاء اسلام نے تجارت کو ایک پسندیدہ بلکہ بعض نے افضل ترین کسب قرار دیا ہے امام سرخسی تجارت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فالاشغال بما یکون نفعہ اعم یکون افضل [1]

ترجمہ : وہی پیشہ زیادہ افضل ہوتا ہے جس کا نفع زیادہ عام ہو (جیسے تجارت)

اور جن فقہاء نے تجارت کو افضل ترین ذریعہ معاش قرار نہیں دیا وہ بھی اسے بہترین وسائل معاش میں شمار کرتے ہیں۔ مثلاً یہ نظیر قابل توجہ ہے۔

فالبیع والشراء من اکبر الوسائل المبٰعثۃ علی العمل فی ھذہ الحیٰوۃ الدنیا واجل اسباب الحضارۃ والعمران [2]

ترجمہ : تجارت دنیوی زندگی میں معاش کے سب سے بڑے وسائل میں سے ایک ہے اور تمدن اور آبادی کے اسباب میں سے بڑا وسیلہ۔

اگر ہم اسلام کے جامع تصور حیات پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی کے دو ہی پہلو ہیں ایک روحانی جس کی تکمیل کی جگہ مسجد ہے اور دوسرا مادی جس کی تکمیل بازار یا منڈی میں ہوتی ہے - بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی زندگی میں مسجد کے بعد دوسرا درجہ بازار کا ہے۔ مسجد میں تعلق مع اللہ کی تربیت ہوتی ہے اور بازار میں اپنے ابنائے جنس کے ساتھ معاملات کی تربیت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض احادیث مبارکہ میں مسجد کو اللہ کریم کی محبوب جگہ اور بازار کو بُری جگہ قرار دیا ہے۔ اس کی روح غالباً یہ ہے کہ بازار میں کاروبار کرنے والا اگر اپنے معاملات اللہ کریم کی رضا کے مطابق لانا چاہتا ہے تو اس کو مسجد سے اپنا تعلق پختہ کرنا چاہیئے تاکہ وہاں سے تجارت و معاملات

---

[1] شمس الائمہ سرخسیؒ : المبسوط، ج ۳۰، کتاب الکسب، ص ۲۰۹

[2] عبدالرحمٰن الجزیری : کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، حصہ ۲، [illegible]

سیکھ کر بازار میں انہیں استعمال کرے۔ تابعی عطا ابن رباح پر اللہ کریم کی رحمتیں نازل ہوں انہوں نے دونوں مقامات (مسجد اور بازار) کا تعلق یوں جوڑا ہے۔

مجالس الذکر هی مجالس الحلال والحرام، کیف تشتری وتبیع وتصلی و تصوم وتنکح وتطلق وتحج واشباه هٰذه [1]

ترجمہ: دراصل مجالس ذکر تو وہی ہیں جہاں معاملات میں حلال وحرام کا تذکرہ کیا جائے: کہ تو کیسے خرید و فروخت کرے؟ نماز کیسے ادا کرے؟ روزہ کیونکر رکھے؟ نکاح کس طرح کرے اور طلاق کیسے دے؟ حج کیسے ادا کرے اور اس طرح کے دیگر مسائل کا علم کیونکر ہو؟

---

[1] بحوالہ مجلۃ الاقتصاد الاسلامی، عدد ۴۷، شوال ۱۴۰۵ھ / جون ۱۹۸۵ء، ص ۴۶

باب ۲

تجارت کی اسلامی تاریخ

فصل اوّل

قبل از اسلام عربوں کی تجارت

تجارت کے پیشہ کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود حضرت انسان کی۔ احتیاج برائے مبادلہ (Need of Exchange) کی قدامت کے ڈانڈے اس وقت سے ملتے ہیں جس دن اور جس وقت پہلے پہل دو انسانوں نے آپس میں اپنی دو مطلوبہ چیزوں کا تبادلہ کیا تھا۔ مگر مؤرخین نے تجارت بحیثیت ایک پیشہ اور معاشی کاروبار کے آثار بھی تلاش کیے ہیں۔ بعض مؤرخین نے تجارت کی ابتداء کا سلسلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے سے جوڑا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تجارتی بیڑے تھے۔ آپؑ نے تجارتی ایجنٹس (Agents) مقرر کر رکھے تھے جو انہیں مختلف شہروں کے تجارتی حالات سے باخبر رکھتے تھے۔[1]

ان مؤرخین کی رائے میں تجارتی سرگرمیوں کا آغاز بحیرہ روم کے ساحل پر سے شروع ہوا۔ اس کا پہلا مرکز سلطنت فنیقیا کا پایہ تخت صور تھا جو شامی حدود میں ساحل سمندر پر واقع تھا۔[2]

---

[1] فرید وجدی؛ دائرۃ المعارف، ج ۲، بیروت، ص ۴۰۵

[2] حوالہ بالا

پھر یونانیوں کا دور آیا انہوں نے تجارت کے پیشہ میں خوب ترقی کی اور معاشی اور سیاسی تفوق حاصل کرلیا۔ ان کے دور میں خلیج فارس بحری تجارتی سرگرمیوں کی آماجگاہ بن گیا اور بابل کا شہر عالمی تجارتی منڈی کا مقام رکھتا تھا۔ یونانیوں کے بعد رومی آئے۔ رومیوں کے بادشاہوں میں سے اور آغوست کے زمانے میں تجارتی سرگرمیوں نے عروج پایا مگر قیصر (تبیر) کے زمانہ میں زوال شروع ہوا۔ اس کے بعد تین قیاصرہ تیراجان، مارک اوربل نے دوبارہ تجارتی عروج کے حصول کی کوششیں کیں مگر ناکام رہے۔ حتیٰ کہ اللہ کریم نے ایام کا رُخ عربوں کی طرف پھیر دیا۔

عرب قوم کا دنیا کی دیگر اقوام عالم میں تعارف بحیثیت تجارت پیشہ قوم کے تھا۔ گو جزیرہ عرب میں دیگر پیشوں مثلاً کاشتکاری، صنعت، حرفت وغیرہ کا بھی چلن تھا مگر جزیرہ عرب کی ریتیلی اور چٹیل زمین نے عربوں کو تجارت کے پیشہ کی طرف پھیر دیا۔ جزیرہ عرب کے بعض علاقے مثلاً مدینہ منورہ (پرانا یثرب) اور طائف اپنی زرخیزی اور کاشتکاری کے لیے مشہور تھے لیکن مکہ مکرمہ جو بیت اللہ کی وجہ سے مقدس شہر خیال کیا جاتا تھا، مرجع خلائق تھا اور قریب و دُور کے شہروں اور علاقوں سے عرب اس کی زیارت اور طواف کیلئے آتے تھے۔ یہ مقدس شہر دنیا کا مامون ترین اور محفوظ ترین مقام تصور کیا جاتا ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں سے حجاج اور تجار اپنا تجارتی سامان یہاں لاکر فروخت کرتے اور یہاں سے تجارتی سامان خرید کر دنیا کے مختلف حصوں میں لے جاتے۔ اس طرح اس بابرکت شہر کو زمانہ قدیم ہی سے ایک تجارتی مرکز بلکہ ایک بین الاقوامی تجارتی منڈی کا درجہ حاصل ہے۔ علاوہ ازیں، طائف میں تجارت پیشہ یہودیوں کی جماعت رہتی تھی یہ لوگ یمن اور یثرب (آج کا مدینہ منورہ) سے نکالے گئے تھے[۱]

قریش مکہ کے تجارتی سفر : قریشِ مکہ سال میں دو تجارتی سفر کیا کرتے تھے یعنی موسم

---

[۱] فرید وجدی: دائرۃ المعارف ج ۲ ص ۵۴۰۔

[۲] بلاذری، ابوالحسن فتوح البلدان، الازہر پریس، ۱۹۳۲ء ص ۵۶

سرما میں یمن کا تجارتی سفر کرتے اور موسم گرما میں شام کا تجارتی سفر کرتے۔ قرآن مجید نے سورہ قریش میں انہی دو سفروں کا ذکر کیا ہے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ بیت اللہ کے جیران (ہمسائے) ہونے کی وجہ سے وہ دیگر تمام تجارتی قوموں کی نسبت ماموں و محترم بھی سمجھے جاتے تھے لہٰذا ان کے تجارتی اسفار بھی پر امن اور محفوظ ہوتے تھے۔ قرآن مجید نے انہی پر امن تجارتی سفروں کا ذکر اللہ کریم کے احسان کے طور پر کیا ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۚ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝[1]

ترجمہ: چونکہ قریش خوگر ہوگئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہوگئے ہیں۔ لہٰذا (اس نعمت کے شکریہ میں) ان کو چاہیئے کہ اس خانہ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں۔ جس نے اُن کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے اُنہیں امن دیا۔

مؤرخین کے مطابق ان دونوں تجارتی سفروں کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا ہاشم نے کیا۔ ایک دفعہ قریش پر قحط و افلاس طاری ہوا تو وہ فلسطین گیے اور وہاں سے اپنی قوم کے لیے بہت سا آٹا لائے جس کی روٹیاں پکوائیں اور بہت سے جانور ذبح کرا کر ان کے گوشت اور شوربہ میں ان روٹیوں کا چورہ ڈلوا کر ثرید بنوایا۔ بھوکوں کو کھلاتے رہتے اور ان کی بھوک کا علاج کرتے رہتے کہتے ہیں ان کا نام ہاشم (روٹی چورنے والا) اسی فیاضی اور مہمان نوازی کی وجہ سے مشہور ہوگیا۔[2] ہاشم ہر سال شام اور فلسطین کی طرف بغرضِ تجارت تشریف لے جاتے اور واپس مکہ مکرمہ تشریف لے آتے۔ یوں اس طرح مستقل تجارتی سفروں کی بنیاد پڑ گئی۔ انہی تجارتی سفروں کی وجہ سے ہاشم اور خاندان قریش کو معاشی خوشحالی نصیب ہوگئی جس سے اُن کی اُس دینی سیادت کو تقویت

---

[1] القرآن، سورۃ قریش (۱۰۶): ۱ تا ۴

[2] ابوجعفر محمد بن جریر طبری: تاریخ ص ۱۰۸۹

ملی جو انہیں خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے حاصل تھی۔ اس تجارتی خوشحالی سے ہر قریشی تاجر اپنے خاندان کے مساکین اور غربا کی مدد کرنا بھی ضروری خیال کرتا تھا[1]

قریش تاجر قوم

قریش ایک تاجر پیشہ قوم تھی جیسا کہ اسم قریش کے لغوی معنی ——— تجارت اور کسب کرنے والا ——— بھی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ قوم اپنی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے اسم بامسمیٰ بن چکی تھی۔ اس قوم کے مرد ہی نہیں عورتیں بھی پیش پیش تھیں۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مکہ کی مشہور تاجرہ تھیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مال تجارت ملک شام میں بُصریٰ کی منڈی میں فروخت کر کے آئے اور جس دیانتداری اور خوش اسلوبی سے کاروبار کیا وہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو اس قدر بھایا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رفیق حیات بنانے کی سعادت عظمیٰ حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہو گئیں۔ ابوجہل کی ماں عطار تھی۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہندہ شام کے قبیلہ کلب میں اپنا تجارتی سامان فروخت کیا کرتی تھیں ان کا یہ تجارتی کاروبار خلفاء راشدینؓ کے زمانہ مبارک تک باقی رہا۔ انہوں نے ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیت المال سے ... ہم قرض لیا اور اس سے مال تجارت خرید کر بلاد کلب گئیں تاکہ تجارت کر کے نفع کمائیں[2]

قریش کا وہ کاروان تجارت جس پر مسلمانوں کا حملہ کرنا غزوہ بدر کا موجب بنا۔ کاروان میں تقریباً مکہ شہر کی ہر عورت اور مرد کا بچت شدہ سرمایہ لگا ہوا تھا۔ ابوسفیانؓ کہا کرتے تھے، مکہ کا کوئی قریشی مرد اور عورت ایسا نہ تھا۔ جس کے پاس نصف اوقیہ یا زیادہ مال رہا ہو اور اس نے ہمارے ساتھ نہ روانہ کر دیا ہو[3]۔

---

[1] طبریؒ، تفسیر (جامع البیان)، سورۃ قریش۔

[2] طبریؒ، تاریخ، ۲۳ھ کے واقعات

[3] محمد ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، ج ۲، بیروت، ص ۷

قریش عورتوں کی تجارت میں دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ جب بدرقہ (**Convoy**) کی واپسی ہوتی تو وہ ابوسفیان ؓ (جو عموماً تجارتی قافلوں کے میر کاروان ہوتے تھے) کے ارد گرد اکٹھا ہو جاتیں تاکہ نفع کی خوشخبری سن لیں[1]، حتیٰ کہ مسامرہ (رات ہونے سے پہلے گپ شپ) میں بھی تجارتی قافلوں کا ذکر ہوتا تھا۔ الغرض، یہ حال نہ صرف قوم قریش بلکہ تمام عربوں کا تھا۔ مشہور یونانی مؤرخ اسٹرابو کے بقول ہر ایک عرب تجارت میں مشغول تھا وہ یا تو خود تاجر تھا یا دلال تھا[2]۔ ان کے ہاں یہ عام رواج تھا کہ جو تاجر نہ ہوتا اس کی معاشرہ میں کوئی عزت نہ ہوتی تھی۔ ان کے تجارتی قواعد وضوابط نے ایک مکتب اور مسلک کی صورت اختیار کر لی، جس نے تجارتی اوزان اور حسابات کے نظام کو پروان چڑھایا[3]۔

قریش میں سے جن اشخاص نے تجارت کے ذریعے زیادہ شہرت اور دولت پائی ان میں ابوسفیان ؓ، ولید بن مغیرہ اور عبداللہ بن جدعان کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی تجارتی ثروت وسطوت کا یہ عالم تھا کہ حرب الفجار[4] میں انہوں نے ۱۰۰ آدمیوں کو اسلحہ سے لیس کر دیا۔ اُس زمانہ میں یہ اسلحہ آج کی ایک بہت بڑی فوج کے اسلحہ کے برابر قیمت رکھتا تھا[5]۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، عنوان مکہ۔

[2] لانس: اسلام بلیف اینڈ انسٹی ٹیوشن، باب اول، ص ۱۵

[3] حسن ابراہیم حسن: تاریخ اسلام، ج ۱، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۶۳

[4] حرب الفجار: یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلے میں ہوئی تھی۔ قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ میں اپنی اپنی الگ فوجیں قائم کی تھیں آل ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبد المطلب تھے۔ اسی صف میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا۔ اول قیس پھر قریش غالب آئے۔ آخر صلح پر خاتمہ ہوا چونکہ قریش اس جنگ میں بر سر حق تھے اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت کی (شبلی نعمانی: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۱، ناشران قرآن لاہور، ص ۱۸۳)

[5] حسن ابراہیم ... ص ۶۴

قریش کے تجارتی قافلے

: قریش کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے پوری دنیا میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ انکے تجارتی قافلے آس پاس کے ملکوں میں امن و احترام سے سفر کرتے تھے۔ یہ قافلے جزیرۃ العرب کے ایک سرے یمن سے دوسرے سرے غزہ، بیت المقدس اور دمشق تک جاتے۔ بحر احمر پار کر کے حبشہ جاتے جدہ کی بندرگاہ ان دنوں میں بھی حبشہ اور مکہ کے درمیان تجارتی واسطہ کا کام کرتی تھی جدہ ہی سے بحرین کے شہر قطیف تک تجارتی سامان آتا جاتا تھا [1]

قریش کے شام اور یمن ۲ دو ملکوں کو سال میں ۲ دو مرتبہ جانے والے قافلوں کو تو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ان کے علاوہ ان کے تجارتی قوافل براعظم افریقہ کے ممالک مصر اور سوڈان، براعظم ایشیا کے ممالک ہندوستان، ایران، روم وغیرہ تک جاتے تھے یہ تجارتی کاروان نہایت منظم ہوا کرتے تھے اور ان کا پیمانہ نہایت وسیع ہوتا تھا۔ عموماً ہر تجارتی کاروان کے ساتھ اس کی وسعت کے مطابق محافظ دستہ کی تعداد ایک سو تا تین سو ۳۰۰ تک ہوتی تھی۔ تاجر اور دلیل (Guides) ان کے علاوہ ہوتے تھے۔ قریش کا وہ قافلہ جو غزوہ بدر کا سبب بنا اُس میں اُمیہ بن خلف اور قریش کے سو آدمی تھے اور دو ہزار پانسو (۲۵۰۰) اونٹ تھے [2]

یہ تجارتی کارواں عموماً اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے اور بہت زیادہ سست رو اور دیر پہنچنے والے ہوتے تھے۔ لہٰذا ان کے ذریعہ عموماً ایسی اشیاء لائی اور لے جائی جاتی تھیں جو جلد گل سڑ کر ضائع ہونے والی نہ ہوتیں مثلاً چمڑہ، دھاتیں، اناج، کپڑا گرم مصالحہ، لکڑیاں وغیرہ۔

اس زمانے میں عربوں کی تجارتی منڈیاں دومۃ الجندل مشقر ہجر، صحار، ریا، شحر، عدن، صنعا، رابیہ، حضر موت، عکاظ، ذو المجاز، بصری وغیرہ کے مقامات پر تھیں [3]۔ ان میں سے عکاظ

---

[1] ایضاً: ص ۶۱

[2] طبری: تاریخ، ۲ھ کے واقعات، ص ۱۲۷۱

[3] حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام۔ دہلی، ۱۳۷۹ھ ، ص ۲۵۴

کی منڈی ۱۲۹ھ تک قائم رہی ۔[1]

اہل مکہ کی درآمدات و برآمدات :

مکہ کے تاجر چمڑا، کھالیں اور طائف کا منقہ برآمد کیا کرتے تھے ۔[2]

وہ جنوبی یمن، ہند اور افریقہ سے خوشبوئیں، گرم مصالحہ جات اور جڑی بوٹیاں درآمد کیا کرتے تھے یہ اشیاء گو وزن میں کم مگر قیمت میں زیادہ ہوتی تھیں ۔یمن کے عطور اور بخور (خوشبوئیں) بالخصوص قبولیت عام کا درجہ رکھتے تھے ۔ تمام اہل ادیان یمن کے عطور اپنے ذاتی استعمال کے علاوہ اپنے مقبروں اور عبادت گاہوں میں اور مشرکین مکہ خانہ کعبہ کی دیواروں پر ملنے کے لیے لاتے تھے ۔ چین سے ریشم، عدن سے قیمتی کپڑے، افریقہ سے غلام، کرایہ کے سپاہی اور مزدور، شام اور مصر سے سامان تعیش، روم کی صنعتی پیداوار خصوصاً ریشم، روئی اور مخمل کے نفیس کپڑے، شام سے ہتھیار اناج اور تیل، افریقہ سے ہاتھی دانت کی مصنوعات اور سونے کی مٹی وغیرہ درآمد کیا کرتے تھے ۔[3]

قریش کے تجارتی معاہدے :

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں قریش بیت اللہ کے ہمسائے اور خانہ کعبہ کے متولی ہونے کے سبب تمام ہمسایہ اقوام عالم میں نہایت معزز و مکرم خیال کیے جاتے تھے ۔ان کے تجارتی قافلے ہمسایہ ممالک میں بلاخوف و خطر سفر کیا کرتے تھے ۔ پھر بھی قریش کے داناؤں نے تمام ہمسایہ اقوام سے تجارتی معاہدے کر رکھے تھے جنہیں "معاہدات ایلاف" (معاہدات امن و سلامتی) کہا جاتا تھا اور قریش کو "اصحاب الایلاف" (معاہدہ امن و سلامتی برائے تجارت کرنے والے) کہا جاتا تھا ۔[4]

---

[1] فتح الباری، ج ۳، ۲۶۵

[2] طبری، تاریخ، ۲ ھ کے واقعات، ص ۴، ۱۲۷

[3] ڈاکٹر یوسف الدین : اسلام کے معاشی نظریے، حصہ اول، حیدرآباد دکن، ۱۳۶۹ھ / ۱۹۵۰ء، ص ۴۸-۴۹

[4] محمد بن حبیب : کتاب المحبر، حیدرآباد دکن، سن طباعت درج نہیں، ص ۱۹۳

ہاشم بن عبدمناف بن قصی وہ پہلے سردار قریش تھے جنہوں نے ہمسایہ قوموں سے تجارتی معاہدے کیے۔ اس سلسلہ میں مؤرخ یعقوبی کے مندرجہ ذیل الفاظ قابلِ توجہ ہیں۔

"ہاشم نے شام کا سفر کیا اور قیصر کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ قیصر نے اُن سے گفتگو کی جو اسے بہت پسند آئی، لہٰذا قیصر انہیں اپنے ہاں ملاقات کے لیے بلانے لگا۔ ہاشم نے اس سے کہا "اے بادشاہ! میری قوم کے لوگ تجارت پیشہ ہیں۔ آپ انہیں ایک فرمان شاہی عنایت کر دیں جو انہیں تجارتی امن عطا کر دے، تاکہ وہ حجازہ کا چمڑا اور کپڑا ابرآمد کر سکیں" بادشاہ نے یہ درخواست قبول کر لی۔ ہاشم وہاں سے روانہ ہوئے اور جس جس قوم یا قبیلہ کے پاس سے گذرتے گئے ان کے سرداروں سے معاہدۂ ایلاف کرتے گئے اس طرح انہوں نے شام سے مکہ مکرمہ تک معاہدہ ایلاف حاصل کیا [1]

ہاشم کی وفات کے بعد ان کے تینوں بھائیوں عبدشمس، مطلب اور نوفل نے نہ صرف قیصر سے معاہدہ امن کی تجدید کرائی بلکہ دیگر ہمسایہ بادشاہوں سے بھی معاہدات امن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مثلاً یعقوبیؒ کے مطابق عبدشمس نے حبشہ کے نجاشی سے، مطلب نے یمنی سرداروں سے اور نوفل نے ایران کے کسریٰ سے معاہدات ایلاف حاصل کئے" [2]

ابن سعدؒ کے مطابق قیصر روم نے ہی حبشہ کے نجاشی کے لیے سفارشی خط دیا تھا جس کی بنا پر قریش کو اس ملک میں بھی تجارتی سفر کے لیے ایلاف مل گیا [3] ان بادشاہوں اور سرداروں

---

[1] احمد بن ابی یعقوب، الیعقوبی: تاریخ، مطبع الغری، نجف ۱۳۵۸ھ، ج ۱، ص ۲۰۱۔

[2] ایضاً، ص ۲۰۳

[3] ابن سعد: طبقات، ج ۱، ص ۴۵۔

میں سے اکثر کو قریش تجارتی سفروں کے دوران بیش قیمت تحائف دیا کرتے تھے اور ان کی رعایا یا تعلق داروں میں سے کوئی جب کبھی مکہ مکرمہ آتا تو اس کی مہمان نوازی کرتے اور ان سے اچھا سلوک کرتے۔ یہ احسان اور مروت کا معاملہ قریش کی تجارت کا حصہ تھا حتیٰ کہ کسی تجارتی مسلک کو کامیاب بنانے کے لیے وہ بعض اوقات اپنے نظریات کے خلاف بھی ہمسایہ اقوام کے لوگوں کی باتیں برداشت کرنے میں رواداری کا مظاہرہ کرتے مثلاً جب حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیکسی اور وطن سے دوری پر ترس فرماتے ہوئے اُنہیں اختیار دیا کہ وہ اپنا دین چھپائے رکھیں کے باوجود جب بیت اللہ کی دیوار کے سایہ میں چلا چلا کر کلمہ شہادت کا اقرار کرنا شروع کیا تو قریش مکہ ان پر ٹوٹ پڑے مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے یہ کہنے پر انہوں نے انہیں چھوڑ دیا "دیکھو یہ قبیلہ غفار کا شخص ہے اور ہمارے تاجروں کی گذرگاہ قبیلہ غفار سے ہو کر جاتی ہے۔

أَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ إِنَّهُ مِنْ غِفَارٍ طَرِيْقُ تُجَارِكُمْ إِلَى الشَّامِ [1]

یاد رہے کہ غفار کا قبیلہ شام کے راستہ پر آباد تھا اور شام کی طرف قریش کا موسم گرما کا تجارتی سفر ان کی معاشی خوشحالی کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا پیش آیا جب وہ اسلام لا کر فتح مکہ سے قبل مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ بیت اللہ کا طواف کرنے تشریف لے گئے۔ ابو جہل نے اُنہیں طواف کی سعادت پانے سے باز رکھنا چاہا تو انہوں نے بھرے حرم میں بآواز بلند کہنا شروع کیا، خبردار! اگر تو نے مجھے طواف کعبہ سے روکا تو میں مدینہ منورہ کی راہ سے تجھے (تجارت کرنے سے) روک دوں گا اور تیرا مدینہ منورہ کی راہ سے رکنا میرے یہاں کے رکنے سے زیادہ نقصان دہ ہوگا ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ منقول ہیں:

---

[1] ... ملحل البخاری: الصحیح، اسلام ابی ذر رضی اللہ عنہ

"اللہ کی قسم! اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو میں تیری شام کی تجارت
کاٹ دوں گا"۔ [1]

قریش مکہ کے ظلم وستم کا بادل جو کھل کر برسنے کے بعد بھی نہ ٹلا اور ناتواں مسلمانوں نے مدینہ منورہ ہجرت کر لی تو وہاں جا کر ان بے نواؤں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کی معاشی خوشحالی کی شاہ رگ تجارت کو کاٹنا چاہا۔ آپؐ نے ان کے شامی راستہ پر آنے جانے والے تجارتی قافلے کو پریشان کرنا چاہا جو غزوہ بدر پر منتج ہوا جس میں اللہ کریم نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی یوں اسلام کی ترویج و اشاعت تیز ہو گئی اور فاقہ مست مسلمانوں کی خوشحالی کے دروازے کھل گئے۔ اس رکاوٹ کے بعد قریش نے شام کا عام راستہ ترک کر دیا اور عراق کا راستہ اختیار کر لیا۔ [2]

عہد جاہلیت کے سکّے، نظام زر، اوزان اور پیمانے

ا۔ سکّے: عہد جاہلیت میں مختلف اقوام کے اپنے اپنے سکے تھے مگر زیادہ چلن مندرجہ ذیل سکوں کا تھا۔

۱۔ دینار: جن دو سکوں کا سب سے زیادہ رواج تھا ان میں ایک دینار تھا۔ دینار کا سکہ بازنطینی ریاستوں، روم، شام، مصر وغیرہ میں رواج پذیر تھا۔ قریش مکہ کی تجارت چونکہ زیادہ تر انہی ملکوں سے تھی لہٰذا دینار کا سکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں شہروں میں مروج تھا۔ البتہ مکہ مکرمہ میں زیادہ تر ہرقلی دینار، رومی دینار اور بازنطینی دینار چلتا تھا۔ [3]

۲۔ درہم: درہم وہ دوسرا سکہ تھا جسے اُس دور میں قبول عام حاصل تھا۔ درہم کا رواج زیادہ تر

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، غزوہ بدر۔

[2] طبریؒ: تاریخ، ص ۱۳۰۷ء

[3] بلاذری: فتوح البلدان، ص ۴۶۷۔

عراق، فارس وغیرہ میں تھا۔ خرید و فروخت میں زیادہ اہمیت طبری اور بغلی (ایرانی) درہم کو تھی [۱]
یہ دراہم زیادہ کھرے تھے، یہ آٹھ اور چار دانگ کے ہوتے تھے [۲] ماوردی لکھتے ہیں ''
عہد فارس میں تین وزنوں کے درہم ڈھالے جاتے تھے۔ ایک ۲۰ قیراط کا، دوسرا ۱۲ قیراط کا اور تیسرا ۱۰ قیراط کا ہوتا تھا۔ مگر اہل فارس کے سیاسی اضمحلال کے ساتھ ساتھ ان کے سکے بھی کھوٹے ہو گئے البتہ ایک مدت تک یہ کھرے سکوں کے ساتھ ساتھ بازار میں چلتے تھے [۳]

۳۔ **حمیری سکے**:۔ درہم اور دینار کے ساتھ ساتھ حمیری سکے بھی لین دین میں قبول کیے جاتے تھے۔ مگر یہ سکے کیا تھے۔ ان کی حقیقت و نوعیت معلوم نہ ہو سکی۔ [۴]

سِکّوں کی معیاری قدر کا تعین:

مذکورہ درہم اور دینار دونوں ہی مختلف قسم اور شکل کے ہوتے۔ ان کے وزن برابر نہ ہوتے۔ وہ مختلف ٹکسالوں میں ڈھل کر نکلتے، مرور ایام کے ساتھ ساتھ ان میں اکثر و بیشتر پرانے ہو کر گھس جاتے اور ان پر حروف و نقوش وغیرہ نہ پڑھے جا سکتے تھے لہذا ان کی معیاری قدر (Standard Value) کی تعین بہت مشکل تھی۔ یہ کام صرف چالاک اور تربیت یافتہ صراف (Exchangers) ہی کر سکتے تھے [۵]

نقشبندی کے بقول ان سکوں کی قدر و قیمت کی تعین ان کے وزن سے ہوتی تھی نہ کہ ان کی ظاہری قدر (Face Value) سے [۶]

---

[۱] بلاذری: فتوح البلدان: ص ۴۶۷۔

[۲] ابن خلدون: مقدمہ، فصل ۴۶ اختصار السلطانیۃ و علامتہا۔

[۳] حوالا بالا: باب ۱۳۔

[۴] بلاذری: فتوح البلدان، ص ۴۶۷

[۵] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳: عنوان سکہ:

[۶] نقشبندی، نصیر الدین محمود: الدینار الاسلامی فی المتحف العراقی، بغداد، ۱۹۵۳م، ص ۱۱

نظام زر: اس دور میں ۲ نظام زر کام کر رہے تھے: ۱۔ ذہب (سونا) ۲۔ ورق (چاندی) جن ممالک میں سونا (ذہب) کا نظام یعنی دینار کا رواج تھا اُنہیں اہل الذہب کہا جا سکتا ہے۔ اہل الذہب میں بازنطینی ریاستیں مثلاً مصر، شام وغیرہ تھیں۔ جن ممالک میں چاندی (فضۃ او الورق) کا نظام زر یعنی درہم کا رواج تھا اُنہیں اہل الورق کہا جا سکتا ہے۔ اہل الورق میں عراق، بابل وغیرہ تھے۔ [۱]

امام مالکؒ (م ۱۷۹ھ) پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اپنی موطا (جو قدیم ترین کتب حدیث میں سے ہے) میں اہل الذہب اور اہل الورق کی اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ضرب الجزیۃ علی اھل الذھب اربعۃ دنانیر وعلی اھل الورق اربعین درھما [۲]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معیار طلاء پر ۴ چار دینار اور معیار چاندی (معیار سیمیں) پر چالیس ۴۰ درہم جزیہ عائد کیا۔

البتہ مکہ مکرمہ کے تجار ان معیاری سکوں کی بجائے سونے چاندی کے ٹکڑے استعمال کرتے تھے جن کی معیاری قیمت کی تعیین ترازو کے ذریعے کی جاتی تھی۔ [۳]

اوزان و پیمانے: دور جاہلیت میں عربوں اور بالخصوص قریش مکہ کے ہاں یہ اوزان و پیمانے مروج تھے۔

۱۔ دینار: یہ سونا وزن کرنے کے لیے تھا۔

۲۔ درہم: یہ چاندی وزن کرنے کیلئے تھا۔

---

[۱] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ۳، عنوان مکہ۔

[۲] مالک، انس بن مالکؒ: موطا، باب الجزیۃ، بروایت یحییٰ بن یحییٰ۔

[۳] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۳، عنوان مکہ۔

(یاد رہے کہ دینار اور درہم میں ۷ اور ۱۰ کی نسبت تھی یعنی دس درہم سات دینار کے برابر ہوتے تھے)

۳۔ شعیرہ: یہ درہم کے $\frac{1}{60}$ کے برابر تھا۔

۴۔ اوقیہ: ۴۰ درہم کے مساوی تھا۔

۵۔ نواۃ: یہ ۵ درہم کے برابر تھا۔

۶۔ مثقال: یہ کسی کسر کے ساتھ ۲۲ قیراط کے مساوی تھا۔ مصری مثقال ۲۴ قیراط کے برابر تھا (یاد رہے کہ دس درہم کا وزن ۷ مثقال کے برابر تھا۔

۷۔ رطل: ۱۲ اوقیہ کے برابر تھا۔

یہ اوزان عہد نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، خلافت راشدہ اور عہد امیر معاویہؓ میں برابر جاری رہے[1]

بلاذریؒ کے مطابق عربوں کا سونے کا مثقال (جو ۲۲ قیراط سے ایک دانا کم تھا) معیاری سکہ سمجھا جاتا تھا مگر جو مثقال عموماً استعمال میں رہتا وہ ۲۰ قیراط کا تھا[2] اور یہ $\frac{1}{3}$ اور $\frac{1}{2}$ دینار میں تقسیم ہو جاتا تھا[3]

سونے کا ایک دینار کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا تھا اور وہ تمام چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اگر وزن میں مساوی ہوتے تو برابر قیمت پر بازار میں چلتے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے گوشت خریدنے کے لیے ایک دینار سے دو قیراط کاٹے[4]

---

[1] بلاذری، ص ۴۶۶ - ۴۶۷

[2] ایضاً ۔ ص ۴۵۱ - ۴۵۲

[3] نقشبندی، ص ۱۱

[4] ابو داؤد: السنن، ج ۳، حدیث نمبر ۱۸۶

چاندی کا ایک اوقیہ ۴۰ درہم کے برابر تھا جسے آگے نش، رطل، نواۃ اور شعیر میں تقسیم کیا جاتا تھا جو بالترتیب ۲۰، ۱۲، ۱۵ اور ۱/۹ درہم کے برابر ہوتے تھے۔[1] لیکن درہم کا کوئی معیاری سکہ نہیں تھا کیونکہ عام دراہم ذاتی حیثیت سے چلتے تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درہم کا سکہ ڈھالنا چاہا تو ایک درہم کا اوسط وزن ۱۴ قیراط کی سفارش فرمائی[2] حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے درہم میں ایک قیراط کا اضافہ کر دیا[3]

دورِ جہالت کی چند تجارتی شکلیں

قبل از اسلام تجارتی کاروبار کی چند شکلوں کو عربوں نے رواج دے رکھا تھا۔ ان میں بعض مشہور شکلوں کا یہاں تعارف کرایا جا رہا ہے۔ یہ یاد رہے کہ اسلام نے ان تمام تجارتی شکلوں کو ممنوع قرار دیا جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

۱۔ بیع منابذہ : جب بائع (فروخت کرنے والا) مشتری (خریدار) کی طرف کپڑا پھینک دیتا تو بیع لازم ہو جاتی

۲۔ بیع ملامسہ : جب مشتری مبیع (فروخت اور خرید کی جانے والی شئے) کو چھو لیتا تو بیع لازم ہو جاتی حتیٰ کہ وہ نہ تو مبیع کو کھول سکے اور نہ الٹ کر دیکھ سکے۔

اس کی ایک صورت یہ بھی ہوتی تھی کہ آنکھیں بند کر کے تجارتی مال پر ہاتھ لگایا جاتا اور یہ بات طے کر لی جاتی کہ جس مال پر ہاتھ پڑے وہ اتنی قیمت کا ہوا۔

---

[1] البلاذری: ص ۴۵۱

[2] Aghnides, N.P.: Muhammadan Theories of Finance. New York, 1916. P.264

[3] مقریزی تقی الدین احمد بن علی: النقود الاسلامیۃ المسمّٰی بشذور العقود فی ذکر النقود، نجف، ۱۹۶۷ء، ص ۹ - ۱۵۔

۳- **بیع حبل الحبلۃ :** مشتری اونٹنی اس وعدہ پر لیتا کہ جب وہ جنے پھر اس کا جو بچہ ہو وہ جنے تب اس کی قیمت ادا کرونگا

۴- **بیع صفقۃ :** ایام جاہلیت میں عربوں کے تجارتی لوازمات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جب مشتری کوئی چیز خریدتا وہ بائع کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر یہ ثابت کرتا کہ اب بیع مکمل ہوگئی۔ اس وجہ سے اس بیع کو بیع صفقہ کہا جاتا تھا۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا کہ بائع چاہے نہ چاہے مشتری چالاکی سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بیع کر لیتا جو بائع کو مجبوراً قبول کرنا پڑتی تھی۔ صفقہ تالی پیٹنے کو کہتے ہیں۔

۵- **بیع محاقلہ :** اناج کی بالیاں پکنے سے پہلے تاجر کھیتوں کی پیداوار خرید کر قبضہ کر لیتے تاکہ بعد میں اناج اپنی من مانی قیمت پر بیچ سکیں۔

۶- **بیع مزابنۃ :** پکی اور ٹوٹی ہوئی کھجوروں کو درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے عوض فروخت کیا جاتا تھا۔ جس میں نقصان اور جھگڑا دونوں کے امکانات ہوتے ہیں۔

۷- **بیع مصراۃ :** دودھیلے جانوروں کو فروخت سے قبل ان کے تھن ۲ دو تین ۳ دن باندھ دیتے تاکہ وہ بیچتے وقت زیادہ دودھ دیں اور یوں خریدار کو دھوکہ دیا جا سکے کہ جانور زیادہ دودھیلا ہے، لہٰذا اس کی قیمت زیادہ ادا کی جائے۔

۸- **بیع عریان :** "سائی" اور بیعانہ والے معاملہ کو کہتے ہیں۔ اس قسم کی بیع میں معاملہ یوں طے ہوتا ہے کہ مشتری بائع کو کچھ رقم پیشگی بطور بیعانہ دے دیتا ہے اور شرط یہ ٹھہرتی ہے کہ اگر مشتری وہ مبیع مقررہ وقت کے اندر اندر نہ خرید کر سکے تو بائع (فروخت کرنے والا) بیعانہ کی رقم بطور جرمانہ ضبط کر لے گا اور اگر بائع مبیع (فروخت کی جانے والی شئے) نہ فروخت کرنا چاہے تو بیعانہ کے برابر اور رقم بطور جرمانہ دے۔ جاہلیت کا یہ طریقہ

تجارت آج کل بھی مروج ہے۔

۸۔ بیع بخش: ایسی بیع جس میں زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرنے کے لیے چالاک بائع (جو عموماً سرمایہ دار ہوتا ہے) یہ حیلہ اختیار کرکے کہ دہ چند اشخاص اس قبیح حرکت کے لیے تیار کرے کہ جب مبیع کی بولی ہو رہی ہو یا قیمت طے پا رہی ہو تو وہ صرف قیمت چڑھانے کے لیے اپنی طرف سے مبیع کے زیادہ دام بتاتے جائیں یا مبیع کی اتنی زیادہ جھوٹی تعریف کریں کہ مشتری زیادہ سے زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے۔

۹۔ بیع مضطر: ایسے حاجت مند شخص کی بیع جو اپنی سخت حاجت میں اپنا مال اونے پونے داموں فروخت کرے یا اپنی مجبوری کی وجہ سے انتہائی مہنگے داموں چیز خریدے۔

۱۱۔ بیع الکالی بالکالی: اس کو بیع الدین بالدین بھی کہتے ہیں۔ ایسی بیع جس میں دونوں طرف سے اُدھار ہو اس کی کئی صورتیں ہوتی تھیں موجودہ دور کی سٹہ بازی بھی اسی کی ایک قسم ہے۔ نہ مال موجود نہ قیمت کا وجود۔

۱۲۔ بیع غرر: ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں عوضین (یعنی مبیع یا قیمت۔ ثمن) میں سے ایک کی مقدار یا مدت یا قیمت متعین اور معلوم نہ ہو مثلاً ہوا میں اُڑتے پرندوں کی بیع، دریا میں مچھلی کی بیع۔ جانور کے پیٹ میں بچہ کی بیع وغیرہ مذکورہ بالا اشکال تجارت میں سے تین (۵ - ۶ - ۷) مدینہ منورہ سے خاص تھیں۔

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ان اشکال مبادلہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایام جاہلیت کے عرب طلب اور رسد کے فطرتی قوانین سے بخوبی آگاہ تھے۔ احتکار اور اکتناز کے ذریعے مال کو روک کر مصنوعی قلت پیدا کرنا اور قیمتوں

کو بڑھا چڑھا کر وصول کرنا ان کا بھی عام فن تھا۔ وہ تخمین اور سٹہ بازی (Speculation) میں بھی ماہر تھے وہ شہر کے باہر سے آنے والے کاروانوں سے سامانِ تجارت اور غلہ خرید کر بازار میں قلت کی حالت پیدا کرتے یا اُسے اپنی دوکانوں میں اکٹھا کر کے من مانے داموں فروخت کرتے۔ کسانوں کو (بالخصوص طائف میں) سود پر قرض دیتے اور ان کی تمام فصل پر قبضہ کر لیتے گویا تاجرُ اپنا نفع زیادہ سے زیادہ ہو" کے استحصالی طریقہ کے استعمال میں اس دور کے سرمایہ داروں سے ملتے جُلتے تھے دراصل سرمایہ دار کی استحصالی ذہنیت ہر دور میں ایک جیسی رہی ہے۔

فصل دوم

مسلمانوں کی تجارتی ترقیات

مسلمانوں کی تجارتی ترقیات کا ذکر کرتے وقت میرا قلم بار بار رکا۔ کیا یہ ترقیات "واقعۃً" تھیں یا محض تاریخی واقعات ہیں جو مسلمان مؤرخین نے مسلمانوں کا وکیل صفا [illegible] بن کر ان کی اچھی یادیں بنانے کے لیے درج کر دیتے ہیں۔ یہ خیالات میرے اس مرعوب [illegible]ہن میں ——— جو آج مسلمانوں کے علاوہ ہر قوم کی تجارتی ترقیات دیکھ رہا ہے ——— اس لیے آئیے کہ کیا واقعۃً ہمارے آباؤ اجداد نے تجارت کے میدان پوری دنیا کی امامت کے فرائض انجام دیئے ہیں ان کا وجود شرق و غرب کی تجارت کی کلید کی حیثیت رکھتا تھا۔ تمام تجارتی آبی گذر گاہیں[1] ——— جو پوری دنیا کی تجارتی رگوں کا کام دیتی تھیں اور دیتی ہیں مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں۔ اور آج بھی ہیں مگر ان پر مغربی سرمایہ داروں یا مشرقی اشتراکیوں کا اثر ہے۔ گھر میرا ہے مگر اجازت مجھے کسی اور سے لیکر اس میں داخل ہونا پڑتا ہے۔

پدرم سلطان بود ——— میرا باپ بادشاہ تھا ——— خوش کن رسم پر عمل پیرا ہو کر قارئین

---

[1] بقیہ حاشیہ اگلے [illegible] گذرگاہیں یہ ہیں

کرام کی دلچسپی کے لیے مسلمانوں کی تجارتی ترقیات اور سرگرمیوں پر روشنی ڈالتا ہوں۔ شاید یہ بھی علم کی کوئی خدمت ہو۔ اس باب میں ہم نے جستہ جستہ ان حالات و واقعات اور شہروں کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں کے تجارتی مراکز اور ان کی تجارتی سرگرمیوں کا پتہ دیتے ہیں۔

۱۔ دمشق کا تجارتی شہر:- بنی امیہ اور بنو عباس کے زمانوں میں دمشق ایک تجارتی مرکز بن گیا جہاں ایشیا صغری اور بلاد عرب و مصر کے تجارتی قافلے آتے جاتے تھے۔ اس زمانے میں دجلہ و فرات عالمی تجارت کے لیے آبی راستوں کا کام کرتے تھے تجارتی سامان کچھ فاصلہ تک بذریعہ کشتیوں اور کچھ فاصلے بری جانوروں کے ذریعے دمشق آتا اور پھر بلاد عرب میں پہنچا دیا جاتا [۱]

۲۔ دجلہ کے کنارے بغداد کی تعمیر:- یہاں تجارتی جہازوں کے لیے بندرگاہ بنائی گئی۔ جو ایشیاء صغری، شام، بلادِ عرب و مصر وغیرہ کے لیے رابطہ کا کام کرتی تھی۔ یہاں وسطی ایشیا۔ بخارا اور فارس کے تجارتی قافلے بھی

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۱) ترکی میں آبنائے باسفورس پر درہ دانیال۔ (۲) مراکش کے سرے پر جبل الطارق کی آبی گذرگاہ (۳) مصر میں بحیرہ روم اور بحر احمر کو ملانے والی نہر سویز (اس نہر کو خلیفہ ہارون الرشید نے بنوایا تھا۔ امام سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص ۱۸۹) (۴) یمن (عدن) میں باب المندب کی آبی گذرگاہ (۵) ملاکا کی آبی گذرگاہ (۶) جزیرہ مالٹا (۷) مالدیف میں بندرگاہ زینۃ المتصل (۸) بیرمزکی آبی گذرگاہ۔

تمام دنیا کی بحری تجارت صرف اور صرف انہی آبی راستوں سے ممکن ہے دنیا کے کسی بھی ملک نے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے کسی ملک سے تجارت کرنا ہو اسے اپنا تجارتی سامان سے لدا ہوا جہاز ان میں سے کسی ایک راستہ سے گذارنا ہوگا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر: تاریخ اسلام، ج ۲: داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۶۴: ص ۳۱۱۔

آتے تھے[1]

۳ - بصرہ:- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شہر کا نام قبتہ الاسلام رکھا تھا۔ یہ اموی عہد میں تجارتی شہر بن گیا اور اس نے عباسی عہد میں عرب و عجم کے مرکز اتصال کی حیثیت اختیار کر لی۔ جہاں بحر و بر کے تمام ممالک کا تجارتی سامان آتا جاتا تھا[2]

۴ - انطاکیہ: انطاکیہ عباسی خلیفہ معتصم کے زمانہ میں جنگی اور تجارتی دونوں لحاظ سے اہم ترین شہر بن گیا تھا۔ عربوں کے تجارتی بیڑے بحر ابیض متوسط مشرق سے انطاکیہ کی بندرگاہ سے روانہ ہوتے اور ۲۶ دنوں میں بلاد اندلس کے لیے جبل الطارق پہنچ جاتے اور یہیں سے جزائر صقلیہ تک رابطہ قائم تھا[3]

بلاد اندلس اور صقلیہ کے ذریعے عرب مسلمان مشرق اور مغرب کی تجارت پر چھا گئے تھے[4]

۵ - سندباد کی روایات: سندباد کی روایات جو الف لیلہ میں مذکور ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہارون الرشید کے زمانے میں عربوں کے تجارتی جہاز بغداد سے روانہ ہو کر خلیج فارس کے راستے جزیرہ ملقار (جسے آج کل جزیرہ ملابو کہتے ہیں) تک جایا کرتے تھے اور اس طرح ہند کے گرم مصالحوں اور عطور، اور چین کے ریشم تک رسائی حاصل کرتے تھے[5]

---

[2] حسن ابراہیم حسن - حوالہ بالا - ص ۳۱۳

[3] ایضاً، ج ۲: ص ۳۱۴

[4] ایضاً: ج ۲: ص ۳۱۴

[5] ایضاً: ج ۲: ۳۱۴

[1]. W. Heyd: Histoir Du Commorce Orce Du Levant Au Moyen-Age, V51.1, Leipzig, 1925, P.27

۶۔ بلاد چین تک رسائی: ۸۲ھ (۷۰۰ء) میں عرب تجار (جو چین تک پہلے ہی رسائی حاصل کر چکے تھے) نے چین کے اہم شہر کانتون کی بندرگاہ اور اس کے بازار میں تجارتی مقاصد کے لیے آنا جانا شروع کیا [۱]

۹۰۰ء تک مسلمان تجار سنگھائی کے جنوبی شہر جانفو تک پہنچ گئے۔ یہاں مسلمان قاضی تھا جو شریعت کے مطابق فیصلے کیا کرتا تھا اور نماز کی امامت کراتا تھا [۲]

۷۔ کلہ (Kalah): یہ جزیرہ ملاکا کا اہم ترین شہر ہے۔ اسے عربوں نے دوسری صدی ہجری میں اپنا بحری مرکز بنایا۔ یہاں سے ایشیا کے مشرق و مغرب تک انہوں نے رسائی حاصل کی اور یوں وہ ہند و چین اور آس پاس کے جزائر کی تجارت سے استفادہ کرنے لگے۔ اسی مقام کلہ سے انہوں نے جزیرہ جاوا دریافت کیا [۳]

ساحل عرب سے ہند کے ساحل عربی مسافت میں تقریباً ۲ تا ۳ ماہ لگ جاتے تھے۔ یہ اختلاف ہواؤں کے رخ اور موسمی حالات کی وجہ سے تھا [۴]

۸۔ کوریا: مسلمان مورخین نہیں بلکہ بعض مستشرقین لکھتے ہیں کہ مسلمان تجار بنو عباس کے زمانے میں کوریا بھی گئے اور وہاں کی مسلمان آبادی انہی کی یادگار ہے [۵]

---

[۱] Heyd Tome, 1, P.72

[۲] حسن ابراہیم حسن۔ حوالہ بالا۔ ص ۳۱۳

[۳] ایضاً: ج ۲: ص ۳۱۵

[۴] ایضاً: ج ۲: ص ۳۱۶

[۵] Heyd Tome, 1, P.30-32

۹۔ **سری لنکا:** عباسی عہد اول میں مسلمان تجار سیلون جزیرہ بھی پہنچ گئے۔[1]

۱۱۔ عباسی عہد میں مسلمان تجار تھائی لینڈ، جزیرہ ملایو (مالیزیا کا ایک جزیرہ)، جاوا پہنچ گئے اور ۱۶ ویں صدی عیسوی تک وہ بحر ہند کے بلاشرکت غیر مالک بن کر رہے۔[2]

۱۲۔ انہوں نے فالیغوظ، ملبار اور ملقا فلپائن، سیام، اور کانتو میں اپنی کالونیاں بنائیں۔[3]

۱۳۔ **بندرگاہیں:** جن بندرگاہوں کو مسلمانوں نے آباد کیا ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے البتہ چند اہم کے نام درج کیے جاتے ہیں انطاکیہ (سکندریہ) طرابلس، مہندیہ (خلیفہ مہدی نے تیونس میں بنائی)، عیذاب (بحر احمر کے کنارے تھی عرب مؤرخین کے مطابق "وکانت العیذاب من اعظم مراسی الدنیا"۔ عیذاب دنیا کی عظیم ترین بندرگاہوں میں سے ایک تھی۔ یہ یمن اور ہند کے سنگھم کا کام کرتی تھی)[4]، اُبلہ، قلزم، جدہ، عدن، بصرہ، بغداد، المریّہ (اندلس کی عظیم بندرگاہ)، بحر ہند پر فالیفوظ، ملبار، ملقا، فلپائن وغیرہ، جوّا (دریائے نیجر کے کنارے)۔ دریائے نیل کے کنارے اسوان اور ددون۔[5]

۱۴۔ **بازاروں کا نظام:** مسلمان خلفاء نے بازار کے نظام کو منظم خطوط پر استوار کرنے، منڈی کی سہولیات کو زیادہ سے زیادہ کرنے اور خریداروں اور فروخت کنندگان کے تعلقات کو باقاعدہ بنانے کے لیے بازاروں کا نظام قائم

---

[1] Heyd Tome, 1, P.72

[2] حسن ابراہیم حسن، تاریخ اسلام، ج ۴، ص ۴۰۰ - ۴۰۱

[3] ایضاً، ج ۴، ص ۴۰۷۔

[4] ایضاً، ج۔ ۴، ص ۴۰۶

[5] ایضاً، ج ۴، ص ۴۰۶

کیا۔ اس نظامِ بازار کا آغاز خلیفہ منصور عباسی نے کیا۔ اس نے بغداد کے جنوب میں کرخ کا شہر تعمیر کیا اور بغداد کے تمام بازار وہاں منتقل کرا دیئے۔ اس نے بازار کا نظام پیشہ وارانہ تقسیم پر کیا مثلاً عطاروں کا بازار، لوہاروں کا بازار، بڑھیوں کا بازار، کپڑا فروشوں کا بازار، خوشبو فروشوں کا بازار، گوشت فروشوں کا بازار۔ بازاروں کی ترتیب میں سب سے آخر میں قصابوں کا بازار بنوایا۔ وہ کہا کرتا تھا یہ بیوقوف ہوتے ہیں جن کے ہاتھوں میں دھاردار ہتھیار ہوتے ہیں[1]

فاطمیوں کے عہد میں ان بازاروں کی تعداد میں اضافہ ہوا[2] اور ان میں مرغیوں کا بازار، چڑیوں کا بازار، مٹھائیوں کا بازار۔ سفری بیگوں کا بازار۔ پھلوں کا بازار جوتوں کا بازار، صرافہ کا بازار[3] کا اضافہ ہوا۔

بعض بازار ایسے تھے جو ہفتہ کے مخصوص دنوں میں کھلتے تھے۔ دوکانیں سڑک کے ساتھ ساتھ شمالاً جنوباً ہوا کرتی تھیں بیرونی تجار کے لیے خاص ہوٹل تعمیر کیے گئے تھے تجار نچلی منزل پر اپنا سامان رکھتے اور اوپر والی منزل میں سویا کرتے تھے[4]

محتسب کا تقرر: کاروبار تجارت کو اسلامی اصولوں کے مطابق بنانے، تجار کی تجارتی سرگرمیوں کو عادلانہ خطوط پر ڈھالنے، ناپ تول کے نظام کو باقاعدہ بنانے مصنوعات کے معیار کو برقرار رکھنے، اشیاء کو ملاوٹ سے پاک رکھنے، تجارتی کاروبار کو غیر شرعی معاملات (مثلاً سودی لین دین) سے بچانے کے لیے اسلامی حکومتیں محتسب کا تقرر کرتی آئی ہیں اس نہایت

---

[1] خطیب بغدادی؛ ابو منصور عبدالقادر بن طاہر؛ بحوالہ حسن ابراہیم حسن: تاریخ اسلام، ص ۴۰۶

[2] حسن ابراہیم حسن، تاریخ اسلام، ج ۴، ص ۴۰۶۔

[3] ناصر خسروؒ کے مطابق صرافہ کے بڑے بڑے بازار ہوتے تھے مثلاً صرف اصفہان کے سوق الصرافین میں ۱۰۰ صراف بیٹھا کرتے تھے۔ یہ تعداد آج کل کے معاشی ترقی کے زمانے میں بڑے بڑے شہروں میں نہیں پائی جاتی (سفر نامہ، ص ۲۵۳)

[4] حسن ابراہیم حسن، تاریخ اسلام، ج ۴، ص ۴۰۶

ضروری کارِ خیر کا بقاعدہ آغاز ہارون رشید نے کیا[1]

عباسیوں کے آخری دور میں جب بازاروں کا نظام مروج ہوا تو ہر بازار کے لیے الگ الگ محتسب مقرر ہوا[2]

دلیل المسافرین: ۳ صدی ہجری میں ابوالقاسم بن خردادبہؒ نے بحری اور بری تجار کیلئے "دلیل المسافرین" (Traveller's Guide) مرتب کی اس کتاب میں انہوں نے اس بحری راستہ کا تعین کیا جو دریائے دجلہ کے ہیڈ سے شروع ہو کر ملیبار اور خلیج بنگال سے ہوتا ہوا چین کے شہروں تک جاتا تھا۔ اس کتاب کی ترتیب سے تجار مسافروں کی بحری اور بری سفر کی صعوبتیں دور ہوگئیں[3]

الغرض، یہ وہ مسلمانوں کا شوق تجارت تھا جو انہیں اسلام ایسے دین عمل نے بخشا تھا جس شوق کی تکمیل میں وہ ربع مسکوں پہ چھا گئے۔ حتیٰ کہ عباسیوں کے عہد ثانیہ میں ان کی تجارت عالمی تجارت میں اول درجہ پر تھی۔ اسکندریہ اور بغداد کے تجارتی بھاؤ اور اوزان ومقیاس پوری دنیا میں معیار کا درجہ رکھتے تھے، مسلمانوں کے تجارتی قوافل اور راستوں کا چرچا مشرق اور مغرب میں تھا۔ یہاں مؤلف حضارۃ الاسلام کا یہ بیان نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

> "جب عباسیوں کے پاس دولت کی فراوانی ہوئی اور ہارون الرشید نے تجارتی قافلوں کے بحری اور برّی راستوں کو پرامن بنا دیا تو تمام دنیا کے تجارتی سامان سے لدے پھندے قافلے عراق کا رخ کرنے لگے۔ اس طرح ہند سے برتن، کپڑے، ناریل، ہاتھی دانت کی مصنوعات، خراسان

---

[1] جمیل نخلۃ المدور: حضارۃ الاسلام فی دار السلام، ص ۱۱۸

[2] **Leon African, Description De1, Afrique, Tome,1,PP.193-199**

[3] حسن ابراہیم حسن: تاریخ اسلام، ج ۲، ص ۱۴۱

سے لوہا، کرمان سے شیشہ، کشمیر سے رنگدار کپڑے، چین سے لکڑی، کستوری، دارچینی اور آرائش کا سامان، یمن سے عطر اور مختلف قسم کی خوشبوئیں، فارس سے اسلحہ اور دیگر مصنوعات، سراندیپ (سری لنکا) سے یاقوت اور الماس، روم سے کھالیں اور غلام، شام سے پھل، اسلحہ اور لوہا اور روس سے لومڑی کی کھالیں آنے لگیں"۔[1]

چیک کو رواج دیا: تجارتی ادائیگیوں کے نظام کو سہل بنانے کے لیے مسلمانوں نے ہارون الرشید زمانے میں چیک کو بھی رواج دیا۔ یہ چیک زر اعتباری کا کام کرتے تھے۔ ادا اور وصول کیے جاتے تھے۔[2]

مسلمانوں کی تجارتی گذرگاہیں

عباسیوں کے عہد ثانی تک مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیاں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل چکی تھیں انہوں نے بحر و بر دونوں کو اپنی تجارتی گذرگاہ بنا رکھا تھا۔ ان کے تجارتی راستے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھیلے ہوئے تھے۔ اُس وقت کی معلوم دنیا کا شاید ہی کوئی خطہ ایسا ہو جہاں تک مسلمانوں کے تجارتی قافلے نہ پہنچ چکے ہوں۔ وہ عزم کے پختہ اور کردار کے دھنی تھے۔ وہ جہاں جہاں بھی گئے انہوں کاروباری صداقت، معاملات کی صفائی اور دیانت و امانت کے نقوش چھوڑ گئے۔

یہاں ان کی تجارتی گذرگاہوں کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے جس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی تجارتی سرگرمیاں ——— جو دراصل ان کی اسلام کو دنیا کے کونے کونے تک

---

[1] جمیل نخلۃ المدور: حضارۃ الاسلام فی دار السلام، ص ۱۱۶-۱۱۷۔

[2] الحضارۃ الاسلامیۃ، ج ۲، ص ۳۱۶-۳۲۱، ۳۲۸، ۳۳۰-۳۳۰

پہنچانے ہی کے ذرائع تھے۔ کس طرح پوری دنیا پر محیط ہو گئیں اور ان کی اہمیت نے کس طرح دنیا کا گوشہ گوشہ چھان مارا تاکہ وہ ہر اس کونہ تک اسلام کا نور لے کر جائیں جہاں ابن آدم کی اولاد کا کوئی فرد آباد ہو۔

۱۔ مغرب سے مشرق کو یہ راستہ بذریعہ مصر تھا۔ اس راستہ کے تجار مسافر اپنا سفر فرانس کی بندرگاہ فرنجہ (برہ وفانس) سے شروع کرتے ان کے جہاز مصر کی بندرگاہ الفرما (جو اس زمانے کی اہم ترین بندرگاہوں میں سے ایک تھی) آکر لنگر انداز ہوتے۔ یہاں سے سامان جانوروں پر لاد کر قلزم (آج کل کا شہر سویز) یا اسکندریہ تک لایا جاتا یہ دونوں شہر اس زمانے میں عالمی تجارت کے مراکز کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہاں سے دریائے نیل کے ذریعے فسطاط اور قاہرہ تک لایا جاتا تھا اور اس طرح فسطاط اور قاہرہ سے سامان قلزم یا اسکندریہ لایا جاتا پھر (نہر سویز کے ذریعے) بحر احمر کی بندرگاہوں مثلاً جدہ وغیرہ سے ہوتا ہوا یہ سامان جہازوں کے ذریعے ہند و چین کی بندرگاہوں میں پہنچ جاتا۔ اسی طرح ہند و چین سے تجارتی سامان اسی راستہ سے قلزم سے ہوتا ہوا الفرما یا اسکندریہ پہنچتا اور وہاں سے فرانس کی بندرگاہ فرنجہ (برہ وفانس) پہنچ جاتا۔ بعض اوقات اسی راستہ سے آگے قسطنطنیہ تک چلا جاتا [۱]۔

۲۔ یورپ سے مشرق کو: یہ راستہ انطاکیہ کے ذریعے تھا۔ مسلمان اور یہودی تاجر اپنا تجارتی سفر فرانس کی بندرگاہ فرنجہ (برہ وفانس) سے شروع کرتے اور انطاکیہ پہنچ جاتے۔ پھر انطاکیہ سے ان کا تجارتی سامان گھوڑوں اور خچروں پر لاد کر فرات اور دجلہ تک لایا جاتا اور یہاں سے بحری جہازوں کے ذریعے بغداد لایا جاتا پھر دجلہ میں تیرتے ہوئے ابلہ [۲] پہنچتا پھر یہاں سے عمان ہوتا ہوا ہند اور چین تک لے جایا جاتا [۳]۔

---

[۱] ابوالقاسم بن خرداذبہ الفارسی: المسالک والممالک طبعی دی غوئشیہ، لیدن ۱۳۰۶ھ، ص ۱۵۴

[۲] خلیج عربی کے کونے پر ـــــــ دجلہ کے کنارے ایک بندرگاہ تھی۔ دیکھیے یاقوت حموی کی معجم البلدان "ابلہ"

[۳] یاقوت بن عبداللہ الحموی: معجم البلدان، مطبع سعادۃ، قاہرۃ، ص ۳۲۷۔

۳- روس کے شمالی شہروں سے مشرق کی طرف: یہ راستہ بحر قزوین سے ہو کر آتا تھا۔

قزوین کے ذریعے یہ سامان مرو، بلخ، بخارا، سمرقند اور ماوراء النہر کے شہروں سے ہوتا ہوا چین تک پہنچ جاتا۔ یہ راستہ عموماً عیسائی تجار استعمال کرتے تھے۔ مسلمان ان سے اچھا سلوک کرتے اور جزیہ وصول کرتے تھے[1] اس راستہ کی تجارتی اہمیت اور اس کے پرامن ہونے کے علاوہ دیگر عوامل میں سے تین ایسے عوامل تھے جنہوں نے بہت بڑا کردار ادا کیا حتیٰ کہ یہ راستہ سب سے زیادہ پرامن بن گیا وہ عوامل یہ ہیں۔

ا - اس راہ پر رہنے والے بہت بڑے اور طاقتور قبیلہ قلجا نے اسلام قبول کر لیا یہ چوتھی صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ تھا۔

ب مسلمانوں کے سامانی حکمرانوں نے خراسان اور ماوراء النہر میں امن وامان کی فضا قائم کر دی۔

ج نصر بن احمد سامانی کے صاحبزادے نے شاہ چین کی لڑکی سے شادی کر لی، یوں اس شادی کے بندھن نے تجارتی بندھنوں کو مضبوط کر دیا[2]

لیکن جس عمل نے ہند اور چین سے مسلمانوں کے تعلقات کو بہت زیادہ تقویت بخشی وہ سلطان محمود غزنویؒ (۳۸۸-۴۲۲ھ) کے وہ حملے ہیں جو انہوں نے ہند پر کیے[3]

۴- یورپ سے مشرق کو خشکی کا راستہ: اندلس کے شہروں سے شروع ہو کر جبل الطارق کی گذرگاہ سے گذرتا ہوا مغرب (مراکش)

---

[1] ابن خردادبہ، ص ۱۵۴

[2] یاقوت حموی: معجم البلدان، لفظ "الصین"

[3] یاقوت حموی، ص ۳۲۸

کے اندر سے تونس اور پھر مصر پہنچ جاتا۔ یہاں سے رملہ اور دمشق کے شہروں سے شام پہنچ جاتا پھر کوفہ، بغداد اور بصرہ کے راستوں عراق جاتا یہاں سے براستہ اہواز ہوتا ہوا فارس اور یہاں سے کرمان کے راستہ سے ہند و چین پہنچ جاتا [1]

افریقہ کے تجارتی راستے

۱۔ **شمالی افریقہ کا راستہ**: مصر، برقہ، طرابلس، تیونس کے شہروں سے ہوتا ہوا الجزائر اور مراکش کے چند شہروں کو اپنی حدود میں رکھتے ہوئے سنیگال تک جاتا۔ اس راستہ کے ساتھ بحری راستہ بھی جاتا جو شام کی سرحد سے شروع ہوتا اور الجزائر اور مراکش تک جاتا تھا [2]

۲۔ **صحراوی راستہ**: یہ مصر سے شروع ہوتا اور الجزائر اور مراکش سے ہوتا ہوا مغربی افریقہ کے شہروں تک پہنچ جاتا تھا [3]

۳۔ **قافلوں کے راستے**: پہلا راستہ مراکش کے شہروں میں ہوتا ہوا شمالی سوڈان تک جاتا۔ دوسرا راستہ جنوبی تیونس سے ہوتا ہوا بحیرہ تشاد (چاڈ) کے مغربی شہروں برونو وغیرہ تک جاتا تیسرا راستہ الجزائر سے ہوتا ہوا شمالی نائیجیریا کے علاقہ ہوصا پہنچ جاتا چوتھا راستہ جنوبی مراکش سے سنیگال اور نیجر تک پہنچتا تھا [4]

---

[1] ابن خردادذبہ: ص ۱۵۴

[2] حسن ابراہیم حسن: انتشار الاسلام فی القارۃ الافریقیۃ، القاہرہ ۱۹۶۴ء ص ۳۶

[3] حوالا بالا۔ ص ۳۶

[4] حوالا بالا۔ ص ۳۶

۴۔ **مختصر راستہ:** یہ راستہ مشرقی صحرا سے شروع ہو کر نیل کے ڈیلٹا سے گذرتا ہوا شمالی سوڈان تک جاتا تھا۔[1]

۵۔ **پانچواں راستہ:** یہ جنوبی بلاد العرب سے لے کر مشرقی افریقہ کے ساحل تک جاتا تھا۔[2]

مسلمان تجار اور اشاعتِ اسلام

تجارت نے نہ صرف مختلف تاجر قوموں کو معاشی خوشحالی اور رفاہیت بخشی ہے بلکہ اس کے ذریعے دنیا کی مختلف قوموں نے دوسری قوموں کو اپنا غلام اور دست نگر بھی بنایا ہے یہ مکروہ سازش دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف قوموں کے ساتھ کی گئی ہے۔ چند ایک مظلوم اور مقہور قوموں کے نام اور تجارتی روپ میں استعماری سازشوں کے نام تاریخ عالم کے چہرہ پر واضح نظر آتے ہیں مثلاً برصغیر پاک و ہند پر پہلے ولندیزی پھر فرانسیسی اور آخر کار انگریزوں نے اپنا پنجہ استبداد تجارت ہی کی راہ سے مضبوط کیا۔ اسلامی ممالک بالخصوص مصر و شام اور عراق و ایران پر غلبہ اسی راہ سے پایا گیا۔ جرمنی نے اسی تجارت کی توسیع کے حرص میں نو آبادیات کے خواب دیکھے اٹلی نے حبشہ کو اسی خاطر تہہ و بالا کیا۔ ہسپانیہ کی بربادی کے محرکات بھی یہی تھے۔ مشرق بعید میں جاپان نے چین سے جو ظالمانہ برتاؤ کیا اور فلسطین میں برطانیہ نے جو گل کھلائے وہ اسی تجارت کی کرشمہ سازیاں ہیں۔

مگر مسلمان تجار کی تابناک تاریخ کے کسی ورق پر کوئی ایسی ظالمانہ داستان رقم نہیں جس میں تجارت کے ذریعے یا تجارت کے لیے مسلمانوں نے کسی قوم پر ظلم ڈھائے ہوں یا اس کا امن برباد کیا ہو۔ البتہ مسلمان تجار کے کریمانہ اخلاق اور مومنانہ رویہ سے متاثر ہو کر جن اقوام عالم نے اسلام کی دولت پائی اس میں مسلمان تجار کے تاریخی اسفار کو بہت بڑا دخل ہے۔

---

[1] حوالہ بالا، ص ۳۶۔

[2] حوالا بالا، ص ۳۶۔

مشرق بعید کے ممالک انڈونیشیا، مالیزیا، چین وغیرہ تک اسلام کا نور ہدایت جہاد کی بجائے مسلمان تجار کے ذریعے پھیلا۔ کہتے ہیں انڈونیشیا کے کفار مسلمان تاجروں کے معاملات کی صداقت و صفائی دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ چین میں اسلامی لشکر تو ولید بن عبدالملک کے دور میں حضرت قتیبہ بن مسلمؒ کی کمان میں آیا مگر اسلام کی کرنیں مسلمان تاجروں کے ذریعے پہلے ہی چین کے در و بام پر پڑ چکی تھیں۔ اہل چین کی اپنی ہی روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بزرگ صحابی حضرت وہب بن ابی کبشہ رضی اللہ عنہ کو چین کے بادشاہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ مگر مصادر عربیہ میں ان کا تذکرہ نہیں ملتا [۱]

اسلام کے آنے سے قبل عرب تاجر صرف چین کے علاقہ سیراف تک جاتے تھے لیکن جب اسلامی تاجروں کا سلوک اہل چین نے دیکھا تو اُنہیں چین کے اندر دُور تک آمد و رفت کی اجازت دے دی ان کی دیانت و امانت اور دینی تربیت نے اہل چین کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی تو انہوں نے اپنی مساجد بنائیں اور مدارس تعمیر کیے حتیٰ کہ چین کا صوبہ کانتون اسلام سے بہت متاثر ہوا آہستہ آہستہ چین کے بادشاہ اور مسلمان خلیفہ کے درمیان تجارتی روابط قائم ہو گئے جنہوں نے اسلام کی برکات کے چین میں پھیلنے کے دروازے کھول دیئے [۲]

سٹین لی پول نے مسلمان تجار کی خوبیوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"وہ تجارتی معاملات میں امانت دار تھے اور کبھی خیانت کا ارتکاب نہیں کیا کرتے تھے۔ پھر جب وہ یہاں (چین میں) منصب قضاۃ تک پہنچے اور حاکم بنے تو انہوں نے ظلم کیا نہ کبھی طرفداری سے کام لیا۔ وہ عزت والے تھے اور عزت کرتے تھے وہ متعصب نہیں تھے بلکہ جہاں تک شریعت اسلامیہ

---

[۱] البنوک الاسلامیہ (قاہرہ)، عدد ۱۸ شعبان ۱۴۰۱ھ / جون ۱۹۸۱م، ص ۴۵

[۲] دیکھیے جوستاف لوبون کی کتاب "حضارۃ العرب" اور سٹین لی پول کی کتاب "اسلام چین میں"

اُنہیں اجازت دیتی وہ فراخ دل اور عالی نفس تھے وہ چینیوں کے ساتھ یوں مل جل کر محبت سے رہتے جیسے ایک ہی خاندان کے افراد رہتے ہیں۔"[1]

آٹھویں صدی ہجری میں طنجہ کے ابن بطوطہ نے چین کا سفر کیا تو اس نے مسلمانوں کا حال یوں بیان کیا:

"چین کے تمام شہروں میں مسلمانوں کے مکانات تھے ان کے ہر محلہ میں مسجد تھی جہاں وہ نمازیں ادا کرتے، وہ نہایت معزز اور محترم تھے"[2]

مشہور مستشرق آرنلڈ کے الفاظ قابل توجہ ہیں۔

"ان تجار کے ساتھ ساتھ دعاۃ اسلام —— جو دراصل تجار ہی تھے —— مسلمان تاجروں کے متعین کردہ تجارتی راستوں پر پیدل اور سوار چل کر ان علاقوں میں اسلام کی شمع روشن کرنے میں کامیاب ہوگئے جن راستوں پر چل کر مسلمان تاجر دنیا کے مختلف حصوں میں تجارت کرنے جایا کرتے تھے۔ حبشہ صومالیا اور افریقہ کے دوسرے ممالک مثلاً گینیا، یوگنڈا۔ تانگانیکا وغیرہ اسلام کے سایہ عاطفت تلے آگئے۔ دراصل ان ممالک کی فتوحات شمشیر و سناں سے زیادہ مسلمان تجار کی صداقت و عظمت کی رہین منت ہیں۔"[3]

مستشرق ہیدنے مسلمان تجار کی عظمت کردار اور انکی تبلیغی مساعی پر اس طرح روشنی

---

[1] سٹینلی پول: اسلام اِن چائنا: ص ۴۶

[2] حوالہ بالا: ص ۴۶

[3] Arnold, S.T.W. : The Preaching of Islam (Arabic) Translation P.P. 381-387

ڈالی ہے۔

"یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ دنیا کا نقشہ بتاتا ہے کہ جہاں سے مسلمانوں کے تجارتی قافلے گذرتے گیے وہاں آس پاس کی آبادیاں مسلمان ہوتی گئیں"۔

وماذاك الا ان هندا عشية
تشمت وجرت بجوانبها بردا

(اور تو کوئی بات نہیں ہوئی بس کل ہندہ دن ڈھلے یہاں سے گذری تھی۔ اُس نے یہاں کی فضا میں سانس لیا جس کی برکت سے آس پاس کے علاقوں میں خنکی پھیل گئی)

بحرِ ہند کی بندرگاہیں بمبئی، سیلون، کراچی اور اسی طرح ملتان اور ہند و چین کے دیگر شہروں سے جہاں مسلمانوں کے تجارتی قافلے گذر گئے وہاں کی آبادیاں آج بھی مسلمان ہیں۔ ان تجارتی راہوں پر باعمل مسلمان تجار کی آمد و رفت، غیر مسلم اقوام سے ان کی لین دین میں معاملات کی صفائی اور ان کی عظمت کردار نے قبولیت اسلام کے دروازے کھول دیئے چنانچہ چین، کوریا وغیرہ میں آج تک مسلمان پائے جاتے ہیں یہ سب مسلمان تاجروں کے عمل کی برکت سے مسلمان ہوئے[1]

---

[1] الحضارۃ الاسلامیۃ، ج ۲، ص ۳۱۵-۳۱۶۔

باب ۳

تجارت کے اسلامی اصول

فصل اوّل

چند تجارتی ضوابط

اسلام نے تجارت کے بابرکت پیشہ کو پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنے کے لیے چند ضوابط مقرر کیے ہیں اور یوں تجار کو تلقین کی ہے کہ وہ ان ضوابط کی پابندی کریں ورنہ یہ بابرکت پیشہ جو پرثواب آخرت کا وعدہ بھی ہے۔ ان کے لیے حرام رزق کا ذریعہ اور آخرت میں رسوائی کا موجب بنے گا۔ ان اسلامی ضوابط میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

۱۔عقیدہ اور اخلاق :۔ اسلام نے اپنے قوانین تجارت کی بنیاد عقیدہ اور اخلاق پر رکھی ہے۔ اسلام تجار کو سکھاتا ہے کہ وہ اللہ کریم کے بندے ہیں جو ان کے ہر ڈھکے چھپے کو ہر وقت دیکھتا اور جانتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيبًا [۱]

ترجمہ: یقیناً اللہ کریم ہر ایک شئے پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

اور جب اسلام نے یہ سکھا دیا کہ تمام مسلمان (بلکہ انسان) آپس میں بھائی بھائی ہیں تو پھر

---

۱ النساء (۴) : ۸۶

یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک بھائی کم تول کر اور زیادہ قیمت وصول کر کے اپنے بھائی کو نقصان پہنچائے اور دوسرا کم قیمت دے کر یا ناقص مال دے کر کھرے مال کی قیمت وصول کرے اور یوں اپنے بھائی کا معاشی استحصال کرے ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جامع تعلیمات میں اس عقیدہ کی بنیاد ان الفاظ میں فراہم کر دی ہے ۔

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ [1]

ترجمہ : تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے ۔

اسلام چاہتا ہے کہ تجارت پیشہ افراد اخلاقِ حسنہ سے متصف ہوں ، وہ اخلاق حسنہ ہیں صدق وامانت ، دیانت ، معاملات کی صفائی ، اور اگر معاملہ طے کرنے میں کبھی تکرار تک نوبت پہنچ جائے تو نرم گفتگو اور عزت نفس کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوصاف سے متصف تجار کے لیے دعا کی ہے ۔

رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع واذا اشتری واذا اقتضی [2]

ترجمہ : اللہ کریم کی رحمت ہو اس شخص (تاجر) پر جو جب بھی بیچے ، خریدے اور قرض لینے کا مطالبہ کرے تو نرم گوئی اور درگذر کا معاملہ کرے ۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا ۔

الا اخبرکم بمن یحرم علی النار و تحرم علیہ النار : کل قریب هین ، سهل اذا باع ، سهل اذا اشتری ، سهل اذا اقتضی [3]

---

[1] بخاری : صحیح ، کتاب الایمان ، باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ ۔

[2] بخاری بحوالہ ریاض الصالحین ، باب فضل السماحۃ فی البیع والشراء ۔

[3] بخاری بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ، باب المساهلة فی المعاملة ، وحدیث ۱

ترجمہ: کیا تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتادوں جو آگ پر حرام اور آگ اس پر حرام کر دی گئی ہے۔ ہر ایک نرم پہلوؤں والا: جو جب بیچے، جب خریدے اور جب مطالبہ کرے تو آسانی کا معاملہ کرے۔

ایک جگہ اس خوشخبری کو دوسرے انداز میں دہرایا:

انا احق بذلك منك، سامحوا عبدی، وتجاوزوا عنه كما كان يسامح فی دار الدنيا [1]

ترجمہ: میں اس کا حق ادا کرنے میں تم سے زیادہ ہوں میرے بندے سے درگذر کرو جیسے یہ دنیا میں درگذر سے کام لیا کرتا تھا۔

كان تاجر يداين الناس، فاذا رأى معسرا، قال لفتيانه: تجاوزوا عنه لعل الله ان يتجاوز عنا، فتجاوز الله عنه [2]

ترجمہ: ایک تاجر لوگوں سے ادھار کا معاملہ کرتا تھا، جب وہ (مقروض کو) تنگدست دیکھتا تو اپنے کارندوں کو کہتا اس سے درگذر کرو شاید اللہ کریم ہم سے بھی درگذر کرے۔ اللہ کریم نے اس سے درگذر فرما یہاں اس عقیدہ کی برکات دکھائی جارہی ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ جو مخلوق خدا سے درگذر کرے گا اللہ کریم اس سے درگذر فرمائیں گے۔

تجارتی اخلاقِ حسنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے انداز میں یوں ادا فرمایا۔

البيعان بالخيار ما لم يتفرقا، فان صدقا وبينا بورك لهما فی بيعهما و ان كتما وكذبا محقت بركة بيعهما [3]

---

[1] کشف الغمہ: ج ۲،

[2] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب الافلاس والانظار، حدیث نمبر ۳۔ الفاظ کا معمولی اختلاف ہے۔

[3] متفق علیہ [illegible] المصابیح، باب [illegible]

ترجمہ: بیوع میں خیار ہوتا ہے جب تک فریقین (بائع و مشتری) علیحدہ نہ ہو جائیں۔ البتہ اگر انہوں نے سچائی اختیار کی اور (مبیع۔ فروخت اور خرید کی جانے والی شئے کے عیوب کو) واضح بیان کر دیا تو انہیں ان کی تجارت میں برکت دی جائے گی۔ اور اگر انہوں نے عیوب کو چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان کی بیع کی برکت مٹا دی جائے گی۔

عن واثلة ابن الاسقع قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من باع عيبا لم يتنبه لم يزل فى مقت الله اولم تزل الملئكة تلعنه [1]

ترجمہ: حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس کسی نے ایسے عیب کے ساتھ کوئی شئے فروخت کی جس عیب پر اس نے (خریدار کو) آگاہ نہیں کیا تھا، وہ ہمیشہ اللہ کریم کے غصہ میں رہے گا یا فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔

اس ارشاد مبارک میں ان بد قسمت تاجروں کے لیے درس عبرت ہے جو ناقص مال دے کر خالص کی قیمت وصول کرتے ہیں، بھولے اپنی اس انسان دشمن حرکت کو اپنی فرزانگی سمجھ کر خوش بھی ہیں کہ وہ اپنے بھائی انسانوں کو دھوکہ دے کر اور چند کھوٹے سکے کما کر خود اور اپنی اولاد کو حرام کھلا رہے ہیں۔

اسی طرح ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار کی طرف نکلے تو لوگوں کی طرف دیکھا کہ خرید فروخت میں مشغول تھے آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا

یا معشر التجار! یا معشر التجار! فرفعوا اعناقهم واستجابوا

---

[1] ابن ماجہ: السنن: کتاب البیوع

وانصتوا، فقال: ان التجار يبعثون يوم القيامة فجارا الا من اتقى الله وبر وصدق [1]

ترجمہ: اے تجار کا گروہ! اے تجار کا گروہ! انہوں نے اپنی گردنیں اٹھائیں، جواب دیا اور سراپا گوش بن سننے لگے۔ آپ نے فرمایا: تجار قیامت کے دن فاجر بن کر اٹھیں گے سوائے اس تاجر کے جس نے اللہ کریم کا خوف کیا، بھلائی کی اور سچ بولا۔

مذکورہ احادیث سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اسلام کے تعلیم کردہ تجارتی ضابطہ اخلاق کے اپنانے سے نہ صرف آخرت میں اجر و ثواب کا وعدہ ہے بلکہ دنیا میں بھی ان اخلاق کریمانہ سے مزین تجار کو برکت اور فلاح کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

۲۔ کاروبار تجارت کی آزادی: اسلام نے قانونِ تجارت میں تجارتی کاروبار، تجارتی معاملات اور معاہداتِ لین دین کو تجارتی حریت پر مبنی کیا ہے اور جہاں اسلامی ریاست کو تجار کے معاملات میں دخل اندازی کی اجازت دی گئی ہے اس کا مدّعا بھی خریداروں اور فروخت کاروں کے مصالح کا تحفظ کرنا، انہیں یقینی بنانا اور ان کے حصول میں مدد دینا ہوتا ہے مثلاً کاروباری مراکز کے لیے جگہوں کا انتخاب، ناپ تول کا نظام، راہداری کی سہولتیں، ذرائع نقل و حمل، بازار زر کی ترویج، نظام منڈی کی نگرانی وغیرہا سب تجارتی سرگرمیوں کو ترقی اور تحفظ دینے کے لیے ہوتا ہے اور ان کا مدعا کبھی بھی یہ نہیں ہوتا یا ہو سکتا کہ ان سہولیات کو حکومت تجارت کی راہ کا پتھر بنائے۔ ہاں یہ خدمات ان بدباطن تجار کے لیے رکاوٹ بن سکتی ہیں جو ملاوٹ اور دھوکہ دہی سے کام لیں ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کریں اور قیمتوں کو چڑھا کر مجبور صارفین کا معاشی استحصال کریں۔

قرآن مجید نے اس تجارتی حریت کا اعلان ان الفاظ میں کیا ہے۔

---

[1] رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی والبیہقی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب المساھلۃ فی المعاملۃ، حدیث نمبر ۸

اِلَّآ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ [1]

ترجمہ: مگر یہ کہ تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارتی کاروبار کی طبعی آزادی کا کس قدر احساس تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار مدینہ منورہ کے تجار نے مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ان کے لیے بازار کے نرخ متعین کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔

لا تسعروا فان اللہ ھو المسعر [2]

ترجمہ: بھاؤ مقرر نہ کرو کیونکہ بھاؤ مقرر کرنے والی ذات پاک تو اللہ کریم ہی کی ہے۔

اس الہامی جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارتی کاروبار کو سرکاری سطح پر منظم کرنے اور یوں اللہ کریم کے ان گنت بندوں کو تجارت کے ذریعے روزی کمانے سے باز رکھنے کے آئندہ کسی فیصلہ کے امکان ہی کو رد کر دیا ہے۔

اسلام صرف داخلی تجارت ہی کی آزادی کا قائل نہیں بلکہ وہ خارجہ تجارت کو بھی آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل "تجارت خارجہ" کے تحت آ رہی ہے۔

۳۔ ذخیرہ اندوزی کی ممانعت: اسلام کے عادلانہ قانون تجارت نے احتکار (ذخیرہ اندوزی) کو اس کی تمام انواع و اقسام کے ساتھ ممنوع قرار دیا ہے اور اسلامی ریاست کو اجازت دی ہے کہ وہ اس ملعون عمل کو روکنے کے لیے دخل اندازی کرے۔

شریعت اسلامیہ کی رو سے ذخیرہ اندوزی (احتکار) یہ ہے کہ کوئی شخص غلہ یا دیگر اجناس

---

[1] النساء (۴): ۲۹

[2] رواہ ترمذی و ابن ماجہ و ابوداؤد و الدارمی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب الاحتکار، حدیث نمبر ۳

کی بڑی مقدار اس لیے اکٹھا کرلے یا خرید کر ذخیرہ کرلے کہ بازار گراں ہو جائے اور صارفین میں اس چیز یا جنس کی مانگ کا مرکز صرف وہی بن جائے اور وہ مجبور ہو کر اس ذخیرہ اندوز (محتکر) سے اس کی شرائط اور مقررہ نرخوں کے مطابق خریدیں۔ البتہ اگر بازار میں اس ذخیرہ کی جانے والی شئے یا جنس کی کوئی کمی نہ ہو اور نہ ہی کسی شخص کے کسی شئے کو ذخیرہ کرنے کا قیمتوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا تو فقہائے اسلام نے اس ذخیرہ کرنے کو ذخیرہ اندوزی نہیں کہا[1]

اسلام کے قانون تجارت میں ایسا تاجر ملعون اور خطا کار ہے جو ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کرے اور پھر بازار میں اپنا مال لا کر من مانے دام وصول کرے۔ ایسا تاجر دراصل ڈاکو اور قاتل کی طرح ہے جو اپنی قبا رکھنے کے لیے اپنے بھائیوں کا خون نچوڑنا چاہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے انسان دشمن تاجر کے نفسیاتی عمل اور اس کے انجام کی اطلاع اس طرح دی ہے۔

من احتکر حکرۃ یرید ان یغلی بھا علی المسلمین فھو خاطی[2]

ترجمہ: جس تاجر نے ذخیرہ اندوزی اس ارادہ سے کی کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر اس شئے کی قیمت چڑھائے وہ خطا کار ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز طریقہ تجارت سے نفع کمانے والے تاجر اور ذخیرہ اندوز میں فرق کرتے ہوئے فرمایا۔

الجالب مرزوق والمحتکر ملعون[3]

ترجمہ: سوداگر کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز لعنتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں ذخیرہ اندوزی کی مذمت کی طرف

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے مرغینانیؒ کی "الہدایہ"، کتاب البیوع

[2] مشکوٰۃ المصابیح، باب الاحتکار، حدیث نمبر ۲ [3] طیبی شرح مشکوٰۃ، کتاب البیوع، ابن ماجہ، الدارمی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح باب الاحتکار، حدیث ۲

بھی اشارہ کر دیا ہے اور اس کے برے انجام سے بھی ڈرایا ہے فرماتے ہیں۔

من احتکر طعاما اربعین یوما فقد برئی اللہ منہ [۱]

ترجمہ: جس نے اشیاء خوردنی کی ذخیرہ اندوزی چالیس روز تک کیے رکھی۔ اللہ کریم اس کی ذمہ داری سے بری ہوں گے۔

من احتکر علی المسلمین طعامھم، ضربہ اللہ بالجزام والافلاس [۲]

ترجمہ: جس نے مسلمانوں کے خلاف اشیاء خوردنی کی ذخیرہ اندوزی کی، اسے اللہ کریم کوڑھ اور مفلسی میں مبتلا کریں گے۔

اس ضمن میں ابن قدامہؒ نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دوکاندار کو ذخیرہ اندوزی سے منع فرمایا اور ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتناعی ارشاد بھی سنایا مگر وہ باز نہ آیا اور کوڑھی بن گیا [۳]

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے ایک ذخیرہ اندوز کا غلہ (سزا کے طور پر) جلا دیا [۴]

فقہاء اسلام کی ایک جماعت نے ایسے تجار کا سامان حکومتِ اسلامیہ کو بازار کے نرخوں پر فروخت کرنے کی اجازت دی ہے [۵] اور انہوں نے اپنے فتویٰ کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمودہ اس قانونی کلیہ پر رکھی ہے۔

لاضرر ولاضرار [۶]

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، باب الاحتکار، حدیث نمبر ۵

[۲] حوالہ بالا۔ حدیث نمبر ۴

[۳] ابن قدامہ: المغنی، باب احتکار

[۴] شوکانی: نیل الاوطار: ج ۲، ص ۱۸۱

[۵] مجلۃ الاحکام العدلیہ، دفعہ ۹۱۹، ۹۲۰۔ امام شافعیؒ: الموافقات، مطبع رحمانیہ مصر، ج ۲، ص ۳۵۔ فتاویٰ ہندیہ ج ۳، ص ۳ [illegible]

ترجمہ: نہ نقصان برداشت کرو نہ نقصان کا موجب بنو۔

اس بارے میں فقہاء احناف کا فتویٰ ہدایہ میں یوں درج ہے۔

"جب (محتکر کا) یہ مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ محتکر کو حکم دے گا کہ وہ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی غذائی ضروریات (جن کا اندازہ فراخی سے کیا جائے گا) سے جو کچھ فاضل بچے اس کو فروخت کر دے۔ اور قاضی اس کو احتکار کرنے سے منع کر دے گا۔ اگر اسی تاجر کو دوبارہ اسی جرم میں قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو اسے قید کر دے گا اور مناسب حال سزا دے گا تاکہ عامۃ الناس کی ضرر رسانی ختم ہو[1]"

اسلام کے قانون تجارت نے ذخیرہ اندوزی کی تمام ممکنہ صورتوں کو بھی مردود قرار دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور میں احتکار کی دو مروّجہ صورتوں "تلقی الرکبان" اور "بیع حاضر للباد" کو ممنوع قرار دیا۔ اس سلسلے میں درج ذیل نظائر قابل توجہ ہیں۔

۱۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم عن تلقی الرکبان[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے نکل کر باہر سے آنے والے تجارتی قافلوں سے جا ملنے سے منع فرمایا۔

فقہاء اسلام نے "تلقی الرکبان" کی تشریح اس طرح کی ہے کہ جب کبھی شہر میں غلہ یا دیگر اشیاء خوردنی کی قلت ہو اور قحط کے آثار نمایاں ہوں اور شہر کے شاطر تجار شہر سے نکل کر شہر کی طرف آنے والے تجارتی قوافل کو راستہ ہی میں روک کر ان کا تجارتی سامان (خصوصاً اشیاء خوردنی) خرید کر اور پھر بازار میں لا کر اپنی شرائط کے مطابق فروخت کریں اور من مانی قیمت وصول کریں[3]

---

[1] الہدایہ: باب الکراہیۃ
[2] بخاری: کتاب البیوع
[3] ہدایہ۔ کتاب البیوع

تلقی الرکبان" کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شہر کے خود غرض تجار باہر سے آنے والے کسانوں اور سادہ لوح دیہاتیوں کو شہر کا اصل بھاؤ بتائے بغیر انہیں دھوکہ دے کر ان کی اشیاء سستے داموں خرید لیں اور شہر میں لاکر مہنگے داموں فروخت کریں۔ البتہ اگر شہریوں کے اس طرح باہر ہی سے اجناس خرید لینے سے شہر میں نہ قلت ہو اور نہ ہی اشیا گرانی ہو تو پھر اس طرح شہر کے باہر ہی سے اشیاء کا خرید لینا" تلقی الرکبان "کی نہی میں نہیں آتا لے

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يبيع حاضر لباد ٢ھ

ترجمہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ شہر والا دیہات والوں کے لیے بیچنے کا کام کرے۔

فقہاء اسلام نے" بیع حاضر لباد" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک تاجر کا سامان تجارت شہر میں موجود ہے مگر وہ صرف اپنی نفع اندوزی اور زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی قبیح خواہش کی تکمیل کے لیے شہریوں کی ضروریات جاننے کے باوجود اپنا سامان ان کے ہاتھوں فروخت نہ کرے بلکہ دیہات میں جاکر سادہ لوح دیہاتیوں کو مہنگے داموں فروخت کرے۔ بیع حاضر لباد" کی دوسری شکل یہ بھی ہے کہ شہری دیہاتیوں کے درمیان مانع بن کر خود دیہاتیوں کی جانب سے ذمہ دار بن کر گراں قیمت پر اشیاء خرید کراتا ہے۔ اگر شہری کا یہ عمل فریقین میں سے کسی کے لیے بھی نقصان کا باعث بنے تو یہ کاروبار ممنوع ہے۔ لیکن اگر وہ صرف دلال کا کام کرے اور اس کی نیت اور عمل دونوں سے کسی فریق (دیہاتی یا شہری) کو نقصان نہ پہنچے تو یہ عمل (دلالی) درست ہے ۳ھ

لے ہدایہ: کتاب البیوع

۲ھ بخاری: کتاب البیوع

۳ھ ہدایہ: کتاب البیوع

موجودہ دور میں مہذب احتکار کی مندرجہ ذیل شکلیں رائج ہیں۔

ا۔ **شرکت قابضہ:** ایسی شرکت میں پیداواری کاروبار کے اکثر حصص حصہ دار ہی خریدتے ہیں۔ لہٰذا وہ کسی شے یا خدمت کی پیداوار کی حد اور اس کی قیمت کا تعیّن اپنی مرضی سے کرتے ہیں اور یوں خریداروں کا استحصال کرتے ہیں۔

ب۔ **ادماج:** اس استحصالی طریقہ کے مطابق چند کمپنیاں مل کر ایک وحدت قائم کر لیتی ہیں۔ اور یوں کسی شئے کی پیداوار اور اس کی قیمت پر اجارہ داری قائم کر لیتی ہیں۔

ج۔ **وحدت قیمت:** چند مل مالکان یا کارخانہ داران مل کر بازار میں ایک قیمت طے کر لیتے ہیں اور اس قیمت کے ذریعے گاہکوں کا استحصال کرتے ہیں اور اپنے نفع کا زیادہ سے زیادہ حصول ممکن بنا لیتے ہیں۔

۴۔ **حرمت سود:** اسلام کے عادلانہ قانون تجارت نے تجارتی کاروبار سے ہمہ قسم کے سود کے خاتمہ کا حکم دیا ہے۔ اسلام نے سود کو معاشی استحصال کی منحوس ترین شکل کہا ہے جس کے معاشی تعاون اور نتیجۃً معاشی فلاح پر نہایت خطرناک آثار مرتب ہوتے ہیں۔

حرمتِ سود کی اصل یہ آیت قرآنی ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا [1]

ترجمہ: اللہ کریم نے تجارتی کاروبار کو حلال کر دیا ہے جب کہ سودی لین دین کو حرام قرار دیا ہے۔

اس جرم میں ملوث افراد کے لیے شدید ترین وعید سنائی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

---

[1] سورۃ البقرہ (۲): ۲۷۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؎۱

ترجمہ: اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم واقعی ایماندار ہو تو اللہ کریم سے ڈرو اور جو (تمہارا کسی کے ذمہ) سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر تمہارے خلاف اللہ کریم اور اس کے رسول کریم کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔

اس آیت کریمہ کی رو سے اسلامی ریاست کو واضح طور پر اختیار ملتا ہے کہ وہ سود خوار سے لڑ کر یعنی انہیں سخت سزائیں دے کر سودی لین دین سے باز رکھے۔

سود خوار کے ذلت آمیز انجام کی خبر اللہ کریم نے بڑے ڈراؤنے انداز میں دی ہے۔ ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ؎۲

ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (آخرت میں اللہ کریم کے حضور) ایسی حالت میں کھڑے ہوں گے کہ گویا انہیں بھوت پریت لپٹ گیا ہو اور وہ خبطی ہو گئے ہوں یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت کا معاملہ بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔

اس سلسلہ مولانا حفظ الرحمٰنؒ کے الفاظ قابل غور ہیں وہ لکھتے ہیں۔

دراصل سود خور انسان روپیہ اور دولت کے خمار میں ایسا بدمست ہوتا ہے کہ وہ انسانی اخلاق، مروت، ہمدردی بلکہ انسانیت کو بے معنی اور مہمل الفاظ سمجھنے لگتا ہے اور خود غرضی، حرص و طمع اور دوسروں کو برباد کر کے اپنے مفاد کا حصول اس کی زندگی کا نصب العین بن جاتے

؎۱ البقرہ (۲): ۲۷۸ ؎۲ سورۃ البقرہ (۲): ۲۷۵

ہیں۔ وہ ہر وقت اس تگ و دو میں پاگل کتے کی طرح مجنون و مخبوط پھرتا رہتا ہے اور مظلوموں بیکسوں کی فریاد و حالت زار سے اندھا، بہرا اور گونگا بن جاتا ہے"[1] گویا کہ دیوانہ ہے جیسے بھوت پریت لپیٹ گیا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ــــــــ جنہوں نے ایک حدیث میں اپنی بعثت کا مقصد ہی اللہ کریم کے بندوں کو کریمانہ اخلاق سکھانا بتایا ہے[2] نے سودی معاملات کرنے والوں پر اللہ کریم کی لعنت اور ان کے مجنون و پاگل ہونے کی خبر دی ہے۔ مندرجہ ذیل نظائر پر نظر ڈالیے اور سود خوروں کے عبرت ناک انجام کا اندازہ کیجیے

لعن اللہ اکل الربا و مؤکلہ و کاتبہ و شاھدیہ و قال ھم سواء[3]

ترجمہ: اللہ کریم نے سود خوار، سودی دستاویز لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا کہ سب اللہ کریم کی لعنت میں وہ سب برابر ہیں۔

اکل الربوا یبعث یوم القیامۃ مجنونا[4]

ترجمہ: سود خوار قیامت کے دن پاگل اٹھایا جائے گا۔

اب ذرا ہمارے آج کل کے تجارتی کاروبار پر نظر ڈالیے مقام افسوس و حسرت ہے کہ سارا کاروبار سود کی ظلمت میں گھرا ہوا ہے۔

۵۔ ملاوٹ اور دھوکہ دہی کی حرمت:

ملاوٹ اور دھوکہ دہی جسے آج کل کاروباری ہنر اور نفع آوری کا بہترین ذریعہ سمجھ لیا

---

[1] حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی ۱۹۶۹ء، ص ۲۶۹

[2] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق مجھے عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

[3] مسلم بن حجاج القشیری: صحیح، باب الربوٰ

[4] رواہ احمد و ابو داود، باب الربوٰ

گیا ہے۔ اسلام کے قانون تجارت میں نہایت قبیح حرکت اور انسانیت سوز عمل قرار دیا گیا ہے۔ تجارتی کاروبار میں اس قسم کی حرکات کرنے والے کمینہ فطرت تجار کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ زیادہ نفع کمائیں۔ ناقص مال دے کر عمدہ مال کے دام وصول کریں گویا اپنے بھائیوں کا نقصان کر کے اپنا نفع بڑھائیں وہ انہیں دھوکہ دے اور دیوانہ مجھ کر اپنی اس فرزانگی پر اپنے دل ہی دل میں مفتون ہوئے جاتے ہیں۔ غالباً ان انسان دشمنوں، آستین کے سانپوں کو یہ خبر نہیں کہ اپنی اس انسانیت کش حرکت سے وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہونے کے اعلیٰ منصب سے بھی محروم ہونے کا خطرہ مول لے رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تجار کو تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا۔

من غش فلیس منا [1]

ترجمہ: جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک گوالے کا دودھ ملا پانی زمین پر بہا دیا [2]

۶۔ جوا یا سٹہ بازی کی ممانعت: شریعت عادلہ نے کاروبار تجارت میں جُوا اور سٹہ بازی کی بھی ممانعت کی ہے۔ جُوا یا سٹہ سے مراد صرف وہی جُوا ہی نہیں جو نقد کے ذریعے کھیلا جاتا ہے بلکہ تجارتی کاروبار میں بھی جُوا اور سٹہ (Gambling & Speculation) مختلف تجارتی شکلوں میں پایا جاتا ہے۔ جن کے نام گو اور ہیں مگر دراصل وہ تجارتی جوئے ہی ہیں۔ عہد جہالت میں تجارتی جوا کی چند شکلیں بیع ملامسۃ، بیع منابذہ، بیع مصارہ (کنکری پھینک کر بیع کرنا) وغیرہا تھیں [3] جنہیں اسلام کے عادلانہ نظام تجارت نے حرام قرار دیا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی تجارتی جوا کی یہ تمام صورتیں موجود ہیں، جنہیں نہایت جدید ترین سائنٹیفک

---

[1] رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب المنھی عنھا من البیوع، حدیث نمبر ۲۶

[2] الشوکانی: نیل الاوطار، ج ۲: ص ۱۸۱

[3] ان تمام اقسام کا تعارف پہلے باب میں درج ہے

بنیادوں پر منظم کر دیا ہے مثلاً موجود نظام تجارت میں لاٹری، ریس، سٹہ بازی وغیرھا مہذب تجارتی جوئے کی شکلیں ہیں اسلام کے حکیمانہ قانون تجارت کی رُو سے تجارتی جوا نہ صرف تجارتی اور معاشی اور طبقاتی استحصال کا ذریعہ بنتا ہے بلکہ معاشرتی امن کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے اور مواساۃ رواداری، ہمدردی اور مروت ان تمام سوتوں کو بند کر دیتا ہے جن سے ایک معتدل معاشرہ کی سیرابی ہوتی ہے۔ اس لیے اسلام نے جوا کی تمام شکلوں کو حرام قرار دیا ہے۔

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ [۱]

ترجمہ: بلاشبہ شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب سر تا سر نجاست ہیں اور کار شیطان ہیں ان سے بچو۔

ایک دوسرے مقام پر ان کے نجاست اور شیطان ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا۔

انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر [۲]

ترجمہ: بلاشبہ شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوا کی راہ سے تمہارے درمیان بغض و عناد قائم کر دے۔

تجارتی سٹہ کے محرم راز جانتے ہیں کہ یہ تجارتی نظام کو کس طرح تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے جس کی تہ میں صرف اور صرف ایک جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ بلا محنت محض دھوکہ دے کر اور مکر فریب سے دھن جوڑا جائے۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اس استحصالی حربہ کی طرف اپنے شعر میں یوں اشارہ کیا ہے۔

---

[۱] المائدہ (۵): ۹۰

[۲] سورۃ المائدہ (۵): ۹۱

؎ ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات

۷۔ ناپ تول میں کمی کی حرمت:

تجارت کے بابرکت اور باوقار پیشہ کو ناپاک اور بے وقار بنانے کی ایک مکروہ سازش اور انسانیت سوز چال ناپ تول میں کمی ہے۔ اس مکروہ حیلہ کے ذریعے تاجر کم مال دے کر زیادہ کے دام وصول کرنا چاہتا ہے اور اپنے بھائیوں کی آنکھوں میں دھول ڈال کر ان کے خون پسینے سے کمائے ہوئے دام بٹور لیتا ہے۔

اسلام کے قانونِ تجارت نے اس قبیح حرکت کو بہت بڑا جرم بتایا ہے اور اس پر دنیا و آخرت کی خرابی و رسوائی کی وعید سنائی ہے۔ قرآن مجید نے اس حرکت پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۙ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝[1]

ترجمہ: خرابی ہے گھٹا کر دینے والوں کے لیے۔ وہ لوگ کہ جب دوسروں سے مال لیں تو پورا پورا لیں اور جب دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔

علامہ طبریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں "جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ ماپنے میں بڑے خبیث تھے۔ وہ لوگ ناپ میں پاسنگ مارتے تھے[2] یہاں اس امر کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ اہل مکہ اشیاء تول کر فروخت کرتے تھے اور اہل مدینہ منورہ ناپ کر فروخت

---

[1] سورۃ التطفیف (۸۳): ۱-۳

[2] طبری: تفسیر (پارہ ۳۰)، سورۃ التطفیف ایات ۱-۳

کرتے تھے[1]

زمخشری نے اس ضمن میں ایک شخص ابو مہینتہ کا ذکر کیا ہے جو ناپ تول میں کمی کی وجہ سے سارے مدینہ منورہ میں مشہور تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابو مہینتہ کے پاس دو پیمانے تھے ایک اپنے خریدنے کے لیے استعمال کرتا اور دوسرا لوگوں کو اپنی اشیاء فروخت کرنے کے لیے استعمال میں لاتا[2]

ناپ تول کی کمی ایک ایسی لعنت ہے جس میں بعض سابقہ امم کے بد دیانت تجار بھی مبتلا تھے اور جس قوم کے نبی علیہ السلام نے یہ ناپاک حرکت اپنی قوم میں پائی اس نے ہمیشہ اسکی مذمت کی اور اس سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ خصوصاً حضرت شعیب علیہ السلام جن کا وظیفہ ہی اللہ کریم نے یہی بتایا کہ انہیں صرف اس منحوس حرکت سے لوگوں کو باز رکھنے کیلیے بھیجا گیا تھا۔ اس آیت کو پڑھیں اور غور کریں۔

والی مدین اخاھم شعیبا ط قال یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ ط قد جاءتکم بیّنۃ مّن رّبکم فاوفوا الکیل والمیزان ولا تبخسوا النّاس اشیاءھم ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا[3]

ترجمہ: اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا۔ انہوں نے کہا۔ اے قوم اللہ کریم کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح نشانی آ چکی ہے۔ لہٰذا ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی (خریدکردہ) اشیاء کم کرکے نہ دیا کرو۔ اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد (اپنے

---

[1] علامہ زمخشری: الکشاف، آیت ویل للمطففین۔

[2] حوالہ بالا

[3] سورۃ الاعراف (۷): ۸۵

اس ناپاک عمل سے) فساد بپا نہ کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجار کو ناپ تول میں کمی کے عذاب اور انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاصحاب الکیل والمیزان: انکم قد ولیتم امرین هلکت فیهما الامم السابقة قبلکم [۱]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپ تول والوں کو فرمایا: بلاشبہ تمہیں ایسے دو کاموں کی نگرانی سونپی گئی ہے جن میں کوتاہی کی وجہ سے کئی قومیں تم سے پہلے ہلاک ہو گئیں وہ دو کام ہیں ناپ تول۔

اسلام کا قانون تجارت ناپ تول میں عدل اور قسط سے آگے بڑھ کر یہاں احسان کا درس دیتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بازار سے گذر رہے تھے، ایک شخص کو دیکھتے ہیں جو پیشہ ور تولاوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

زِنْ وَاَرْجِحْ [۲]

ترجمہ: تول اور جھکتا تول۔

دراصل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وقتی تعلیم نہیں تھا بلکہ قیامت تک آنے والے تمام تجارت پیشہ افراد کے لیے ایک وصیّت ہے۔ وحی کے ذریعے غیب کی باتیں بتانے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ آئندہ چل کر ڈنڈی مارنے والے اور ترازو کے جھکاؤ کا دھوکہ دے کر کم تول دینے والے، گاہک کی آنکھوں میں دھول ڈال کر اسے زیادہ ملنے کی خوش فہمی میں مبتلا کرنے والے ماہر تولاوے اور وزن کرنے والے بھی آئیں گے جنہیں اپنے اس مکروہ فن پر ناز

---

[۱] مشکوۃ المصابیح، کتاب البیوع۔ باب السلم والرہن، فصل ثانی، حدیث ۳

[۲] احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والدارمی بحوالہ مشکوۃ المصابیح، باب الافلاس والانظار، حدیث نمبر ۲۴

بھی ہو گا، ان کے لیے اس وصیت میں درس فلاح ہے کہ تولو اور جھکتا تولو۔

ناپ تول پورا پورا دینے کے خوشگوار معاشرتی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اور اس طرح انسانی قلوب ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں کہ بسا اوقات انسان معاشرتی تعلقات کی بہتر استواری کیلئے اپنی خواہشات تک کی قربانی دینے اور مشکلات برداشت کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اس کی طرف اشارہ قرآن مجید نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں کیا ہے۔ جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں جو ابھی تک آپ سے ناآشنا تھے۔ سے حضرت بنیامین علیہ السلام (جو یوسف علیہ السلام کے سگے اور دوسرے بھائیوں کے سوتیلے بھائی تھے) کو مصر لانے کو کہا اور انہیں اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے اجازت لینے میں جو دشواری ہوگی اسے دور کرنے اور انہیں آمادہ کرانے کو کہا تو انہیں یہی احسان جتلایا کہ دیکھو میں تمہیں پورا پورا تول دیتا ہوں۔ اگر میرا یہ احسان سمجھتے ہو تو آئندہ اپنے بھائی بنیامین کو بھی لانا۔ قرآن مجید کے الفاظ پر غور کریں۔

قال ائتونی باخ لکم من ابیکم الا ترون انی اوف الکیل وانا خیر المنزلین [1]

ترجمہ: (یوسف علیہ السلام نے) فرمایا میرے پاس اپنے باپ کی طرف سے بھائی کو بھی لے کر آنا۔ تم دیکھتے نہیں میں پورا پورا پیمانہ بھر کر دیتا ہوں اور مہمان نوازی بھی اچھی طرح کرتا ہوں۔

۸۔ قسمیں کھانا: اسلام کے قانونِ تجارت میں منافع زیادہ کرنے کی خاطر اور سامان کو جلد بیچنے کے لیے قسمیں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ ایسی قسمیں اگرچہ بظاہر سامان تجارت کے جلد اور زیادہ نکاس کا ذریعہ تو بنتی ہیں مگر اس سے تجارت کی برکات حاصل

---

[1] سورۃ یوسف (۱۲): ۵۹

نہیں ہوتی ہیں۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

الحلف منفقۃ للسلعۃ، ممحقۃ للبرکۃ[1]

ترجمہ: قسم کھانا سودا کی جلد بکری کا موجب بنتا ہے، مگر تجارتی برکت کو مٹاتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر قسمیں کھانے سے باز رکھنے کے لیے فرمایا۔

ایاکم وکثرۃ الحلف فی البیع فانہ ینفق ثم یمحق[2]

ترجمہ: خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بچو وہ سودا کے نکاس اور رواج کا ذریعہ بنتی ہیں پھر برکت کو مٹا دیتی ہیں۔

فصل دوم

تجارتی معاہدہ کے ضوابط

تجارتی معاہدہ سارے تجارتی کاروبار میں کلید کی حیثیت رکھتا ہے۔ تجارتی کاروبار کی خیر و خوبی، جواز اور عدم جواز کا سارا انحصار معاہدہ پر ہے۔ تجارتی معاہدہ دراصل وہ عہد و پیمان ہوتا ہے جس کی رو سے دو فریق بائع (فروخت کرنے والا) اور مشتری (خریدار) کسی چیز کی تجارت (خرید و فروخت) کا سودا طے کرتے ہیں۔ اگر معاہدہ درست ہو گیا تو تجارتی عمل کے تمام مراحل بحسن و خوبی طے ہو جاتے ہیں اور اگر معاہدہ غلط ہوا یا فریقین میں سے کسی ایک نے دھوکہ دہی سے کام لیا تو معاہدہ ٹوٹ جائے گا یا جھگڑا ہو گا یا کم از کم معاہدہ کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹیں پیش آئیں گی۔

اسلام کے عادلانہ قانونِ تجارت نے تجارتی معاہدہ کے درست اور خیر خواہانہ ہونے پر بہت زور دیا ہے، اور چند حکیمانہ اور معتدل قوانین تجویز کر دیے ہیں جس پر عمل پیرا ہو کر فریقین امن و آشتی اور بھائی چارہ کی فضا میں اس مبارک کاروبار میں کامیابی سے چل سکتے ہیں۔

---

[1] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح،

[2] رواہ مسلم بحوالہ بالا، حدیث نمبر ۳

اسلامی قوانین برائے معاہدہ تجارت کتب فقہ میں ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں نہایت اختصار سے ان کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ **اہلیت معاہدہ:** اسلام میں تجارتی (یا کسی بھی دوسرے) معاہدہ کے لیے اولین شرط اہلیت معاہدہ ہے۔ یعنی فریقین یا شرکا معاہدہ تجارت کے اہل ہوں وہ بالغ ہوں یا ممیّز ہوں۔ عاقل ہوں اور آزاد ہوں۔ بالفاظ دیگر بچہ، مجنون اور مجبور کا معاہدہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ غلام اپنے آقا کی اجازت سے تجارتی معاہدہ کرے گا۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل نظائر قابل توجہ ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: رفع القلم عن ثلاثة: عن المجنون المغلوب حتى يبرء وعن النائم حتى استيقظ وعن الصبي حتى يحتلم [۱]

ترجمہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین[۳] شخص شرعی تکالیف کے مکلف نہیں ہیں (۱) مجنون اور مجبور یہاں تک کہ اُسے جنون سے افاقہ ہو جائے اور مجبوری سے چھٹکارا حاصل کرے (۲) سونے والا یہاں تک کہ بیدار ہو جائے (۳) اور نابالغ یہاں تک کہ وہ بلوغت کو پالے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث مبارکہ میں مجبور کے معاہدہ بیع کی بھی نفی کر دی۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر [۲]

ترجمہ: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبور و مقہور کی بیع کو ناجائز قرار دیا۔

---

[۱] ابوداؤد: السنن، ابواب البیوع

[۲] حوالہ بالا

۲ - تعاون باہمی: اسلامی قانون تجارت میں تجارتی معاہدہ کی بنیاد ہی فریقین کے باہمی تعاون پر رکھی گئی ہے۔ یہاں تاجر کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ تجارتی کاروبار کر کے گو اپنی معاشی فلاح بھی حاصل کر رہا ہے مگر اس کا اصل مقصد یہی ہونا چاہیئے کہ وہ کاروبار تجارت اپنے عام بھائیوں کی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے ان سے تعاون کر رہا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی فریقین میں مکمل تعاون کو تجارتی معاہدہ کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ اس تعاون کی روح یہ ہے کہ فریقین میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے نقصان یا ذاتی نفع کو سامنے رکھ کر معاہدۂ تجارت نہ کرے۔ قرآن حکیم نے نہایت بلیغانہ انداز میں اس ضابطہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تعاونوا علی البرّ والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان[۱]

ترجمہ: بھلائی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کیا کرو مگر گناہ اور زیادتی کے کاموں میں بالکل تعاون نہ کرو۔

تجارت بھی چونکہ بھلائی اور خیر خواہی کا کاروبار ہے لہٰذا اس میں تعاون کرنا اور تعاون کا صحیح صورت میں پایا جانا ثواب بھی ہے اور شرط بھی ہے۔

۳ - باہمی رضامندی: کسی بھی تجارتی معاہدہ، میں فریقین کی باہمی رضامندی (Mutual Consent) بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ رضامندی جتنی گرمجوشی اور خلوص پر مبنی ہوگی اتنا معاہدہ تجارت زیادہ مضبوط، زیادہ قابل عمل اور زیادہ سہل العمل ہوگا۔ اس لیے شریعت عادلہ نے جبر و اکراہ کی رضامندی کو غیر معتبر اور غیر قانونی اقرار دیا ہے قرآن مجید کے اعجاز کا اندازہ کیجیے کہ جہاں اس نے تراضی بین الطرفین کا ذکر کیا وہاں تجارتی کاروبار کے لیے ہی کہا۔ دراصل یہ لین دین اور مبادلہ کا معاملہ ہی تمام معاشی سرگرمیوں کی پہلی اینٹ ہے۔ ارشاد ہے:

---

[۱] سورۃ المائدہ (۵): ۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ [1]

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں اپنے مالوں کو باطل طریقہ سے نہ کھایا کرو ہاں مگر تجارت کے ذریعہ باہمی رضامندی کے ساتھ معاملہ ہو (تو اور بات ہے)۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جبر اور اضطرار کی رضامندی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اس لیے کہ مفلس مضطر اور مجبور رہتا ہے کہ جس چیز کو پورا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اسے اپنی بے چارگی کی وجہ سے اپنے ذمہ لے لیتا ہے یہ رضامندی ہرگز حقیقی رضا نہیں ہے [2]

عموماً جبر یہ رضامندی کے لیے مفلس اور محتاج فریق اپنی حاجت سے تنگ آکر ایسی رضامندی کر لیتا ہے کہ اگر وہ صاحب حاجت نہ ہو تو ایسے معاہدہ پر ہرگز راضی نہ ہو مثلاً سودی کاروبار کا معاہدہ وغیرہ۔

۴۔ حلت، اطاعت الٰہی اور مخلوق کی خیر خواہی:

تجارتی معاہدہ کا چوتھا اصول یہ ہے کہ وہ حلال مال تجارت کے لیے ہو حرام اشیاء کے لیے نہ ہو۔ اس میں کسی طرح بھی اللہ کریم کی نافرمانی کا عنصر شامل نہ ہو۔ نہ ہی وہ کاروبار اللہ کریم کی معصیت پر مبنی ہو مثلاً شراب و منکرات کا کاروبار اور نہ ہی معاہدہ میں کوئی ایسی شق ہو جس میں طرفین کو دھوکہ دینے کی کوشش کی گئی ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معجزانہ تعلیمات میں ایسے تمام عقود کے لیے ایک نہایت جامع مگر مختصر اصول تعلیم کیا ہے۔

---

[1] سورۃ النساء (۴) ۲۹

[2] شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ (مصر) ج ۲، ص ۱۵۳

لاضرر ولاضرار [1]

ترجمہ: نہ نقصان اٹھانا ہے نہ نقصان پہنچانا ہے۔

تجارتی کاروبار کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

افضل الکسب بیع مبرور [2]

ترجمہ: بہترین کمائی بیع مبرور ہے۔

والبیع المبرور ھو الذی یبر فیه صاحبه فلم یغش ولم یخن ولم یعص اللہ فیه [3]

ترجمہ: اور بیع مبرور ایسی بیع کو کہتے ہیں جس میں معاہدہ کرنے والے ایک دوسرے سے بھلائی اور خیر خواہی کا معاملہ کریں، نہ اس میں دھوکہ و ملاوٹ ہو، نہ خیانت اور نہ ہی اللہ کریم کی نافرمانی کی کوئی بات ہو۔

وہ معاہدہ بیع جس میں فریقین نے ایک دوسرے کی بھلائی کا ارادہ نہ کیا ہو بلکہ دھوکہ ہی کے حیلے تلاش کیے گئے ہوں (مثلاً مبیع یا ثمن یا دونوں میں کوئی ابہام رکھا گیا ہو یا معاملہ ایک دوسرے کا ہوا ہے یا دو کا یا تین کا؟ - اور ادھار اور نقد دونوں صورتوں میں قیمت برابر ہوگی یا ان میں فرق ہوگا یا معاہدہ بیع میں کوئی ایسی شرط لگادی جو معاملہ بیع کا جزء نہ ہو یا بیع کو مجہول رکھا یعنی فریقین زبانی قول وقرار پر اکتفاء کریں اور مبیع اور ثمن میں سے کوئی چیز موجود نہ ہو وہ معاہدہ طے پا جانے کے بعد بھی نزاع اور مناقشہ کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی تمام بیوع سے منع فرمادیا جو فریقین میں مناقشہ کا سبب بنیں یا جن کے ذریعے ایک فریق دوسرے

---

[1] مسند احمد ابن حنبلؒ: ج ۲۱، ص ۲۱۲

[2] رواہ احمد بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب الکسب وطلب الحلال۔ حدیث نمبر ۲۵

[3] عبدالرحمان الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، بیروت، ج ۲، ص ۲۰۲

کو دھوکہ دے سکے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل نظائر ملاحظہ ہوں۔

۱۔ نھی رسول اللہ عن بیعتین فی بیعۃ [۱]

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاملہ بیع کو دو بیعوں کا معاملہ بنانے سے روکا۔

۲۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع و شروط [۲]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کے ساتھ زائد شرط لگانے سے منع فرمادیا۔

۳۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابیع ما لیس عندی [۳]

ترجمہ: جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منع فرمادیا کہ میں ایسی چیز فروخت کروں جو میرے پاس (بوقتِ بیع) موجود نہ ہو۔

۴۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن النجش [۴]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ تجارت (لین دین) میں کھوٹ (اور بدمعاملگی) کو منع فرمادیا۔

الغرض، اسلام کا عادلانہ قانون تجارت مذکورہ ضوابط کے ذریعے تجارتی معاہدات کو فریقین کی معاشی رفاہت کے ساتھ ساتھ مخلوق خدا کی خوشحالی اور بہتری کا ذریعہ بھی بناتا ہے۔

---

[۱] رواہ مالک والترمذی دابوداؤد والنسائی، کتاب البیوع، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب المنہی عنہا من البیوع حدیث نمبر ۳۴۔

[۲] الہیثمی، نورالدین علی ابی بکر: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مکتبہ القدسی، قاہرہ ۱۳۵۲ھ، ج ۴، ص ۸۵۔

[۳] ترمذی، ابوداؤد والنسائی، کتاب البیوع، بحوالہ مشکوٰۃ۔ کتاب البیوع، حدیث نمبر ۳۲

[۴] متفق علیہ، کتاب البیوع۔

باب ۴

احکام بیوع

فصل اوّل

بیع کے ارکان اور شروط

بیع کی تعریف بیع کی مخصوص تعریف یہ ہے کہ کسی مال کا مقررہ طریقہ سے نقدی کے عوض فروخت کرنا اور بیع کی عام تعریف یہ ہے کہ ایک مال کا مبادلہ دوسرے مال سے مفید اور مقررہ طریقہ سے کرنا۔ اسی کا دوسرا نام معاوضہ اشیاء (یعنی ایک شئے کے عوض دوسری شئے کے لین دین کا معاملہ ہے۔

بیع کے ارکان اور شروط رکن ایسی خصوصیت کا نام ہے جو کسی شئے یا معاملہ کا جزء ہو اور اس کی اصلیت اور حقیقت میں داخل ہو، اور اس کے بغیر اس معاملہ کا تصور ہی نہ ہو سکتا ہو۔ احناف کے نزدیک بیع کا رکن صرف ایجاب وقبول ہے۔ اور ایجاب و قبول کی عملی صورت بیع ہے جس کی بدولت بائع اور مشتری کے درمیان دو[2] اشیاء کا (یا نقدی اور شئے کا) تبادلہ وجود میں آتا ہے۔

باقی ائمہ کے نزدیک بیع کے ارکان چھ ہیں۔ احناف کے مطابق رکن تو ایجاب وقبول ہے اور باقی شرائط ہیں۔[1]

---

[1] یہ تمام بحث عبدالرحمٰن الجزیری کی "کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر قسم المعاملات کتاب البیوع، باب ارکان البیع سے ماخوذ ہے ص ۵ ھ ۱۳۸۰ / ۱۹۶۰ء۔

۱۔ صیغہ: الفاظ ایجاب وقبول۔
۲۔ عاقدین: معاہدہ بیع کرنے والے بائع اور مشتری۔
۳۔ معقود علیہ:
اب ان تینوں میں سے ہر ایک کی آگے دو دو قسمیں ہیں۔
۴۔ (۱) صیغہ: ایجاب[1] بھی ہو سکتا ہے اور قبول بھی۔
۵۔ (۲): عاقد: بائع[1] بھی ہو سکتا ہے اور مشتری[2] بھی۔
۶۔ (۳): معقود علیہ: مال بھی ہو سکتا ہے اور ثمن[2] یا قیمت بھی۔
اب ان میں سے ہر ایک کے احکام بیان کیے جاتے ہیں۔

۱۔ **ایجاب وقبول:** ۱۔ احناف کے نزدیک ایجاب وقبول کے الفاظ ایسے ہوں جن کا مفہوم قبضہ لینا یا دینا ہو مثلاً بائع کہے بِعْتُ (میں نے بیچا) اور خریدار کہے (اِشْتَرَیْتُ (میں نے خریدا)۔ ایجاب وقبول صیغۂ ماضی میں ہو صاحب ہدایہ کی یہ عبارت ملاحظہ کریں۔

البیع ینعقد بالایجاب والقبول اذا کان بلفظی الماضی مثل ان یقول احدھما بعت ویقول الاخر اشتریت [1]

ترجمہ: بیع کا انعقاد ایجاب وقبول سے ہوتا ہے جب کہ یہ دونوں لفظ ماضی میں ہوں مثلاً ایک کہے "میں نے فروخت کیا" دوسرا کہے "میں نے خریدا"۔

۲۔ یہ ضروری ہے کہ ایجاب وقبول کے کلمات بائع ومشتری نے سنے ہوں، ورنہ بیع درست

---

[1] مرغینانی، الہدایہ (مکتبہ امدادیہ ملتان)، کتاب البیوع، ص ۲۴۔

نہ ہوگی۔ اگر اہل مجلس یا گواہان نے ایجاب و قبول سنا ہو مگر بائع کہے کہ اُس نے نہیں سُنا۔ اگر وہ بہرا نہ ہو تو اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا اور بیع منعقد ہوگی[1]

۳۔ ایجاب و قبول کے بعد جب تک مجلس قائم رہے فریقین کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہے جب ان میں سے کوئی ایک مجلس سے اُٹھ کر چلا جائے تو بیع لازم ہوگی[2]

۴۔ ایجاب و قبول بذریعہ خط و کتابت بھی ہو سکتا ہے مثلاً اگر کسی نے خط لکھا تو جب تک وہ خط فریق ثانی کو نہیں پہنچا اور اُس نے قبول نہیں کیا تب تک اس کو قبول یا رد کرنے کا اختیار ہے۔ تب تک اس کو اختیار رہتا ہے کہ اپنا پیغام یا خط پھیر لے۔ جب دوسرے فریق نے خط وصول کر لیا تو وہ جس حالت میں لفافہ کھولے یا خط پڑھے یا پیغام سنے اسی حالت میں یا مجلس میں ہی۔ قبول یا رّد کر دے۔ اگر اس نے پیغام سن لیا اور بیٹھا تھا، خاموشی سے اُٹھ کر کہیں اور گیا یا گھر میں داخل ہو گیا یا فوراً انکار یا اقرار کے کلمات نہیں کہے تو ایجاب ہو گیا[3]

۵۔ ایجاب و قبول تمام مبیع کا ہوگا اس کے کسی حصہ کا نہیں البتہ اگر چند اشیاء کا سودا اکٹھا طے پائے اور بائع ہر ایک کی قیمت الگ الگ بتا دے تو پھر مشتری اگر تمام اشیاء نہ خریدنا چاہے تو کسی ایک شئے یا جتنی اشیاء اُس مجموعہ میں سے چاہے اس کا ایجاب و قبول کر سکتا ہے بشرطیکہ بائع بھی اس پر راضی ہو[4]

---

[1] مرغینانی: الہدایہ: مکتبہ امدادیہ ملتان کتاب البیوع ص ۲۴

[2] الہدایہ، حوالہ بالا، ص ۲۵۔ ابن رشد: بدایۃ المجتہد، کتاب البیوع، الباب الاول۔

[3] الہدایہ، حوالہ بالا، ص ۲۵۔

[4] ایضاً، ص ۲۵

ایجاب وقبول کا ابطال: ایجاب وقبول کے طے ہو جانے کے بعد بیع لازم ہو جاتی ہے اور فریقین کو اس کو توڑنے کا حق نہیں۔ البتہ اگر مشتری مبیع (سودا) میں کوئی نقص دیکھے یا بتائے گئے معیار سے کم تر پائے یا تعداد یا وزن میں کم پائے تو وہ معاہدہ بیع پورا کرنے کا مکلف نہیں ہوگا۔[1]

۲۔ عاقدین: احناف کے نزدیک بیع کی پہلی شرط اور دیگر آئمہ کے نزدیک بیع کا دوسرا رکن عاقدین (یعنی بائع و مشتری) ہے۔ فقہاء کرام نے صاحب معاملہ (خریدار یا فروخت کرنے والا) کی چند شرائط بیان کی ہیں[2]

۲:۱۔ صاحب معاملہ عاقل ہو، بالغ ہو۔

۲:۲ بوقت معاملہ کسی وجہ سے مجنون یا دیوانہ نہ ہو۔

۲:۳ مکرہ نہ ہو یعنی اس پر جبر نہ کیا گیا ہو وہ اپنی رضامندی سے معاملہ کرے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس شرط کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

الا ان تکون تجارة عن تراض منکم۔ (۴:۲۹)

ترجمہ: ہاں اگر تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

انما البیع عن تراض۔[3]

ترجمہ: بلاشبہ خرید وفروخت تو رضامندی کا معاملہ ہے۔

---

[1] الہدایہ ص ۲۵۔

[2] تفصیل کے لیے دیکھئے عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعة، قسم المعاملات، البیوع [illegible]
ص ۱۶۰-۱۶۲

[3] ابن حبان، صحیح، ابواب البیوع۔

حاکم وقت یا قاضی کسی مقروض کو مال فروخت کرنے پر مجبور کرے تاکہ وہ اپنا قرض یا دیگر سرکاری مالی واجبات ادا کرے تو اس شخص کا کسی مشتری کے ساتھ معاہدہ بیع اکراہ کے ذیل میں نہیں آئے گا کیونکہ اس طرح مجبور کرنا حق پر مبنی ہے اور شرعی مکرہ وہ ہے جسے ناحق پر مجبور کیا جائے یا وہ جسے حق نہ سمجھے اس پر اُسے مجبور کیا جائے۔

مکرہ کی بیع: مکرہ کی بیع کی حیثیت کیا ہوگی؟ فقہاء کے نزدیک وہ معاہدہ بیع تو ہو جائے گا مگر وہ بیع فاسد ہوگی اور بائع کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ حالات جبر گذر جانے کے بعد اپنے معاہدہ پر قائم رہے یا مبیع (اگر دستیاب ہو تو) واپس لے لے خواہ اس میں تصرف ہو چکا ہو۔

اگر بائع نے جبراً فروخت شدہ مال واپس لیا تو اُسے قیمت کا لوٹانا (بشرطیکہ قیمت تلف نہ ہو چکی ہو) ضروری ہے۔

عقد تلجئۃ: مکرہ کی بیع کے ضمن میں فقہاء نے عقد تلجئۃ کا مسئلہ بھی بیان کیا ہے۔ عقد تلجئۃ[1] یہ ہے کہ ایسا معاملہ کیا جائے جس کی درحقیقت اصل کچھ اور ہو اور ظاہر اور ہو مثلاً بائع کسی سے یہ کہے میں آپ کو اپنا مکان بطور "بیع تلجئۃ" فروخت کرتا ہوں تاکہ آپ کے ذریعے اس کی حفاظت کر سکوں بصورت دیگر کوئی ظالم (جو درحقیقت موجود بھی ہو) مجھ سے زبردستی چھین لے گا۔ اگر فریقین ایسا معاہدہ کر بھی لیں تب بھی بیع فاسد ہوگی کیونکہ ارادہ بیع کا نہیں[2]

۳۔ معقود علیہ: احناف کے مطابق بیع کی دوسری شرط اور بقیہ آئمہ کے نزدیک بیع کا تیسرا رکن معقود علیہ ہے معقود علیہ کی مزید دو قسمیں ہیں۔

۱۔ مبیع۔

۲۔ ثمن یا قیمت۔

---

[1] عقد تلجئۃ کے معانی بیع امانت اور تحفظ، اور تحفظ کے طور پر سودا کرنا بھی ہوتے ہیں۔

[2] عبدالرحمن الجزیری، بحوالہ بالا، ص ۱۶۲

احناف کے علاوہ آئمہ کے ہاں معقود علیہ میں مال اور قیمت / ثمن دو الگ الگ رکن ہیں احناف نے شرائط کا نام دیا ہے۔ ان دونوں کے فقہی احکامات یہ ہیں۔

۳/۱ **مبیع:** (۱) مبیع کا وجود ہو کیونکہ ایسی شئے کی بیع شرعاً درست نہیں جس کا وجود ہی نہ ہو۔ مثلاً بیع حمل الحاملۃ۔ مادہ کے پیٹ میں حمل کی بیع۔ فضا میں پرندوں کی بیع وغیرہا[۱]

۲۔ مبیع بائع کی ملکیت تامہ ہو۔ اسلام کے قانون تجارت میں ایسی شئے کی بیع درست نہیں جو بائع کی ملکیت میں نہ ہو یا اس میں کسی اور کا بھی دعوای ملکیت ہو مثلاً جنگل میں گھاس اور لکڑی، دریا کا پانی اور اس کی مچھلی، صحرا میں ریت وغیرہ[۲]

۳۔ مبیع مال متقوم ہو یعنی وہ ایسی شئے یا مال ہو جس کی قیمت ہو وہ پاک اور حلال ہو اور شرعاً قابلِ قبول ہو مثلاً مردار یا خون یا شراب وغیرہ ہو تو اس کو مبیع نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ شرعاً مال متقوم نہیں ہیں۔ البتہ اگر مال سور یا شراب ہو اور متعاقدین (معاہدہ بیع کرنے والے) غیر مسلم یا ذمی ہوں تو ان کے درمیان معاہدہ بیع درست ہو گا کیونکہ شراب اور سور ان کے نزدیک مال متقوم ہے[۳]

۴۔ مبیع کی صفت اور مقدار کا بیان بھی ضروری ہے۔ البتہ مبیع کے بیان میں ان اشیاء کی صفت یا تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں جو مبیع کے تحت آتی ہیں مثلاً بیع مکان (فروخت کیے گیے مکان) کے اندر درخت، اس کی چار دیواری اور باغیچہ وغیرہ۔ اسی طرح زمین کے ساتھ اس کے درخت وغیرہا[۴]

---

[۱] مرغینانی: الہدایہ کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، ص ۵۴-۵۵۔

[۲] حوالہ بالا، ص ۵۵

[۳] حوالہ بالا، ص ۵۸-۵۹-۵۳

[۴] حوالہ بالا، ص ۳۳۔

۳: **ثمن:** (۱) ثمن یا قیمت مقرر کیے جانے کے بغیر معاہدہ بیع درست نہیں۔ اور یہ ابہا فریقین میں تنازعہ کا موجب بن سکتا ہے اور شریعت میں ہر وہ معاہدہ ممنوع ہے جو فریقین میں تنازعہ اور مناقشہ کا سبب بن جائے البتہ قیمت مقرر کیے جانے کے بعد نقد بھی ہو سکتی ہے اور اُدھار بھی۔ ہدایہ میں ہے۔

ویجوز البیع بثمن حال و موجل اذا کان الاجل معلوما۔ [1]

ترجمہ: بیع نقد ثمن اور اُدھار ثمن دونوں کے ساتھ درست ہے بشرطیکہ اُدھار ثمن کی مدت معلوم ہو۔

۲۔ ثمن پاک، حلال اور شرعاً قابلِ استعمال ہو۔ مثلاً مسلمان گندم فروخت کر کے اس کی قیمت میں شراب یا مردار کا گوشت یا سور کا گوشت نہیں لے سکتا [2]

۳۔ قیمت یا ثمن کی مقدار اور صفت، دونوں معلوم ہوں مثلاً قیمت میں کون سا سکہ یا کرنسی دینی ہے پاکستانی روپیہ یا سعودی ریال وغیرہ۔ اگر ثمن یا قیمت کی کیفیت معلوم نہ ہو، پھر اس سے مراد اسی ملک کا رائج الوقت سکہ ہی ہو گا [3]

فصل دوم

بیع میں اخیار کے مسائل

اسلام کے قانونِ تجارت میں ''خیار'' Option کے مسئلہ کو کلیدی اہمیت حاصل

---

[1] حوالہ بالا، ص ۲۶۔

[2] الہدایہ، حوالہ بالا، باب البیع الفاسد۔

[3] ایضاً، ص ۲۶۔

ہے۔ اکثر صورتوں میں تکمیل بیع کا انحصار اسی پر ہوتا ہے۔ اس فصل میں "خیار" کے چند اہم مسائل ذکر کیے جاتے ہیں۔

خیار کے لغوی معنی اختیار کے ہیں۔ فقہاء اسلام نے "خیار" کی مندرجہ ذیل تین قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ خیار شرط۔

۲۔ خیار رویت

۳۔ خیار عیب

۱۔ خیار شرط خیار شرط کے لغوی معنی ہیں "شرط کا اختیار کرنا یا لینا" جب بائع اور مشتری معاہدہ بیع کرتے ہیں تو ان میں سے ہر ایک کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ تین دن تک کا خیار حاصل کر لے اس مدت کے اندر اندر اس کو اختیار ہو گا کہ وہ معاہدہ بیع پورا کرے یا توڑ دے مثلاً بائع یوں کہے "میں تین دن تک یہ فیصلہ کر لوں گا کہ مبیع فروخت کروں یا نہ کروں اسی طرح مشتری یوں کہے "میں تین دن تک یہ فیصلہ کر لوں گا کہ مبیع خریدوں یا نہ خریدوں"۔

خیار شرط بائع اور مشتری اپنی بجائے کسی دوسرے کی طرف سے بھی کر سکتے ہیں مثلاً بائع یا مشتری یوں کہے "میرے والد صاحب کو تین دن تک خیار ہے" یعنی اس کے والد صاحب نے تین دن کے اندر اندر معاہدہ بیع کی توثیق کر دی تو بہتر ورنہ بیع فسخ ہو گی [۱]

خیار شرط کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ فریقین میں سے جو کوئی بھی اس معاہدہ بیع میں اپنا نقصان تصور کرے وہ معاہدہ بیع فسخ کر سکتا ہے۔

خیار شرط کے جواز کی بناء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک پر ہے۔

ان حبان ابن منقذ بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ کان یغبن فی البیاعات فقال

---

[۱] قاضی خان: فتاوی، کتاب البیوع، باب الخیار۔

له النبی علیه السلام : اذا بعت فقل : لاخلابة ولی الخیار ثلاثة ایام۔[1]

ترجمہ : بلاشبہ حضرت حبان بن منقذ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ خرید و فروخت میں دھوکہ کھالیا کرتے تھے۔ اُن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب تم فروخت کیا کرو تو کہا کرو : دھوکہ نہیں ہوگا اور مجھے تین دن تک اختیار ہوگا (کہ قبول کروں یا رد کر دوں)

خیارِ شرط کی مُدّت : خیارِ شرط کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن تک ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں : الخیار ثلاثة ایام فما دونها۔[2]

ترجمہ : خیار تین دن تک یا اس سے بھی کم ہے۔

یہی رائے امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کی ہے۔ صاحبین (یعنی امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کی رائے میں تین دن سے زیادہ کا خیار بھی جائز ہے۔ مگر امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں تین دن سے زیادہ تک کا خیار جائز نہیں البتہ کوئی تین دن سے زیادہ کا خیار کرے مگر بیع کی منظوری تین دن کے اندر اندر دے دے تو بیع درست ہوگی ورنہ فاسد ہوگی۔ امام ابو حنیفہؒ تین دن سے زیادہ کے خیار کے خلاف اس لیے ہیں کہ خیارِ شرط معاہدہ بیع کی مخالفت کرنے کے لیے ہے اور معاہدہ کی مخالفت معاشی اور معاشرتی دونوں قسم کے نقصانات رکھتی ہے۔ اس لیے خیارِ شرط خلاف قیاس بھی ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کے ہوتے ہوئے خیار کی اجازت سے مجالِ انکار کیسے ہو۔[3] ایک دوسرے قول میں (جسے صاحب الفتح نے نقل کیا ہے) امام ابو یوسفؒ بھی تین دن کے خیار کے قائل ہیں۔

خیارِ شرط کے مسائل : چند اہم مسائل[4] یہ ہیں :

---

[1] احمد بن حنبلؒ : مسند ذکر حبان ابن منقذؓ۔

[2] مرغینانیؒ : الہدایہ، کتاب البیوع، فصل خیار الشرط۔

[3] حوالہ بالا۔

[4] یہ تمام مسائل الہدایہ، کتاب البیوع "فصل خیار شرط" سے ماخوذ ہیں۔

۱۔ اگر فریقین میں سے کسی نے یا دونوں نے بغیر تعینِ مدت کے کہا: ہمیں چند دنوں یا کچھ عرصہ تک کا خیار ہے تو بیع فاسد ہو گی۔

۲ اگر بائع نے خیار کیا اور مشتری نے نہیں کیا تو مبیع بائع کے قبضہ میں رہے گی اور اگر کسی طرح مشتری کے پاس چلی جائے اور دوران خیار ضائع یا ہلاک ہو جائے تو اُسے تاوان دینا پڑے گا۔ البتہ جب مشتری نے خیار نہیں کیا تو وہ ثمن بائع کے سپرد کرے گا اور اگر کیا ہے تو ثمن بائع کے سپرد نہیں کرے گا۔

۳۔ اگر مشتری نے بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کر لیا پھر اس کو بائع کے پاس امانت رکھ دیا اور خیار مدت کے دوران مال کسی طرح ہلاک یا ضائع ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بائع کا مال ضائع ہو گیا اور صاحبینؒ (ابو یوسف اور محمدؒ) کے مطابق مشتری کا مال ضائع ہوا۔

۴۔ بائع و مشتری میں سے جس نے تین دن یا کم کا خیار شرط کیا اُسے اختیار ہے کہ مدت خیار کے اندر اندر بیع کی اجازت دے (یعنی اپنی قبولیت کا اعلان کرے) یا بیع فسخ کر دے۔ البتہ بیع کرنے کے لیے ضروری ہے کہ فسخ کا اعلان فریق ثانی (وہ بائع ہو یا مشتری) کی موجودگی میں کرے۔

۵۔ اگر مشتری نے دو تین اشیاء (ایک ہی جنس کی) خریدیں اور بائع سے کہا کہ ان میں سے ایک کے لیے اُسے تین دن کا خیار ہے اور پسند کے بعد وہ اس کی قیمت (مثلاً ۱۰۰ روپے) ادا کر دے گا، تو بیع کا معاہدہ درست ہے اور اگر شئے کا تعین کیے بغیر کہا کہ ان تینوں میں سے کوئی ایک وہ تین دن کے اندر قبول یا رد کرے گا تو اس صورت میں بیع فاسد ہو گی۔

۶۔ اگر مشتری نے خیار مدت کے دوران مبیع میں تصرف کیا تو خیار ختم ہو جائے گا

۷۔ جس فریق کو خیار حاصل تھا وہ مر گیا تو حق خیار ختم ہو گیا اور حق خیار اس کے ورثاء کو منتقل نہیں ہو گا۔ لہٰذا بیع لازم ہو گی۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک حق خیار دیگر

حقوق کی طرح ورثاء کو منتقل ہو سکتا ہے [1]

۲۔ **خیار رویت:** خیار رویت کے لغوی معنی ہیں دیکھنے کا اختیار۔ بعض اوقات ایسے بھی ہوتا ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان معاہدہ بیع ایسی شئے یا مال کا ہوتا ہے جو مقام معاہدہ پر موجود نہیں ہوتی اس صورت میں مشتری کو حق حاصل ہوتا ہے کہ بیع قبول کرنا اپنے دیکھنے پر موقوف کر دے۔

مسائل: (۱) یہ خیار مشتری کو حاصل ہوتا ہے اور بدون شرط کے حاصل ہوتا ہے اور اگر دیکھنے سے پہلے مشتری اس خیار کو ساقط کر دے تب بھی ساقط نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر دیکھنے سے پہلے مشتری بیع کی اجازت دے پھر بھی یہ خیار باقی رہے گا یعنی جب مشتری دیکھے اس وقت مبیع نہ پسند کرے تو نہ لے۔

۲۔ اس خیار کی کوئی مدت مقرر نہیں ہوتی بلکہ یہ برابر جاری رہتا ہے یہاں تک مشتری مبیع کو دیکھ نہ لے۔

۳۔ یہ خیار تمام اشیاء و اجناس میں ہوتا ہے جو کیلی اور وزنی ہوں البتہ دین میں ثابت نہیں ہوتا

۴۔ جب تک خیار رویت باقی رہے گا بائع مشتری سے ثمن یا قیمت کا مطالبہ نہیں کرے گا

۵۔ خیار رویت صرف اس معاہدہ بیع میں ثابت ہوتا ہے جو ردّ کرنے سے فسخ ہو جائے جیسے خرید و فروخت اور ایسے معاہدہ میں ثابت نہیں ہوتا جو فسخ نہ ہو مثلاً نکاح۔

۶۔ خیار رویت وراثتاً منتقل نہیں ہوتا یعنی اگر مشتری کو یہ خیار حاصل تھا مگر اس کی وفات کے بعد اس کے ورثاء کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ دیکھنے سے بیع ردّ کر دیں [2]

۔ جس چیز یا مال کی تمام اکائیاں یکساں ہوں اسکی کوئی ایک اکائی یا نمونہ ر Sample دیکھنے سے خیار رویت ختم ہو جاتا ہے۔

---

[1] امام شافعی ؒ، کتاب الام ... [2] ... کتاب البیوع ... خیار الرؤیۃ

۲ - خیارِ عیب: ہر وہ نقص یا عیب جو تاجروں کی اصطلاح میں نقصان ثمن کا موجب ہو یعنی وہ داموں میں کمی کا موجب بنے اور اس کی پہچان تاجروں کے عرف پر ہے۔

خیارِ عیب کے چند اہم مسائل یہ ہیں۔[1]

۱۔ عیب کا اختیار مشتری کو ہوتا ہے بیع کے بعد جب وہ مبیع میں کوئی عیب دیکھے تو مبیع قبول یا رد کر دے۔ البتہ اگر وہ اپنی رضامندی سے اس عیب دار مبیع کو رکھنا چاہے تو وہ پوری قیمت دے کر اسے خرید لے۔

۲۔ اگر عیب معمولی قسم کا ہے اور اس کی بلا مشقت اور بدون کسی قسم کے خرچ کے اصلاح ہو سکتی ہے تو وہ ایسا شرعی عیب نہیں ہوگا جس پر مشتری کو خیار کا حق حاصل ہو۔[2]

۳۔ خیارِ عیب کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ یہ عیب معاہدہ بیع کے وقت موجود ہو یا مشتری کے قبضہ میں آنے سے پہلے ہو اور مشتری کے قبضہ میں جانے کے بعد بھی باقی رہے کیونکہ اگر وہ مشتری کے پاس مبیع کے جانے سے درست ہو گیا (مثلاً لنگڑا گھوڑا مشتری کے پاس جاکر تندرست ہو گیا)، تو خیار باقی نہ رہا۔[3]

۴۔ خیارِ عیب کی صورت میں مشتری کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مبیع کو اپنے پاس روکے رکھے اور بقدر نقصان عیب واپس لے کیونکہ عقد بیع میں مبیع کے اوصاف کے مقابل میں ثمن میں سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور اگر بائع اپنی مبیع اس مقدار ثمن سے کم پر دینے پر آمادہ نہیں اور یونہی مشتری اسے اپنے پاس روکے رکھے تو بائع کو نقصان ہوگا۔

۵۔ اگر عیب دار مبیع میں کوئی دوسرا عیب مشتری کے پاس پیدا ہو تو وہ مبیع واپس

---

[1] الھدایہ، کتاب البیوع، فصل "خیار العیب"

[2] امام طحاویؒ: شرح معانی الآثار، کتاب البیوع 'خیار العیب'

[3] الکاسانی، علاؤ الدین بدائع الصنائع، ج ۳۔ کتاب البیوع، باب خیار العیب

نہیں کرے گا بلکہ نقصان عیب کا مطالبہ بائع سے کیا جائے گا۔ مثلاً کپڑا عیب دار تھا مگر مشتری نے اس کو جوڑا سلوانے کے لیے درزی سے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا تو اب واپسی ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر وہ عیب والی مبیع کو آگے فروخت کرے تو نقصان عیب ہی کا مطالبہ کرے گا۔

۶۔ عیب دار چیز کی واپسی کے لیے ضروری ہے کہ یا تو پوری مبیع واپس کرے یا پوری قبول کی جائے یہ درست نہیں کہ کچھ رد کرے۔ البتہ انڈے یا خربوزے یا اخروٹ وغیرہا میں عیب ہو تو جس قدر درست ہوں ان کی بیع ہو سکتی ہیں۔ یہ صاحبینؒ کی رائے ہے[1] البتہ اگر ایسا کرنا اس صورت میں اصح ہوتا ہے جب مبیع کی تمام اکائیوں یا اعداد کی قیمت یکساں ہو یا الگ الگ مقرر ہو۔

فصل سوم

اقسام بیع-اجمالی تعارف

فقہاء اسلام نے بیع کی متعدد اقسام بیان کی ہیں۔ جن کا احصار مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت کیا جاتا ہے۔

۱- ایجاب وقبول کے اعتبار سے: چار قسمیں ہیں:

ا۔ بیع نافذ:۔ اگر ایجاب وقبول ہونے کے فوراً بعد (اشیاء مبادلہ پر) حق ملکیت حاصل ہو جائے اسے بیع نافذ یا بیع قطعی کہتے ہیں۔

۲۔ بیع موقوف یا بیع مشروط: اگر بیع میں بائع یا مشتری نے اپنا ایجاب وقبول

---

[1] کرمانیؒ کفایہ، کتاب البیوع، خیار العیب

کسی دوسرے شخص (مثلاً باپ پر یا وکیل ہونے کی صورت میں مالک) کی اجازت پر مشروط کیا ہو اس صورت میں بیع واقع تو ہو جائے گی مگر یہ بیع موقوف یا مشروط ہوگی۔

۳۔ بیع فاسد یا ناقص: اگر بیع کا انعقاد اس وقت پر رکھا جائے جب کہ قبضہ حاصل ہو تو ایسی بیع فاسد یا ناقص ہوگی بیع فاسد کی ایک دوسری تعریف یہ بھی ہے کہ بیع میں کوئی غیر ضروری شرط لگانا یا ایسی شرط جس کا عقد بیع سے کوئی تعلق نہ ہو، وہ بیع فاسد ہوتی ہے مثلاً بائع سے مبیع اس شرط پر خریدنا کہ وہ (بائع) مشتری کو قرض حسنہ دے۔

۴۔ بیع باطل: اگر بیع سے حق ملکیت حاصل ہی نہ ہو تو ایسی بیع کو بیع باطل کہتے ہیں۔ مثلاً ناپاک یا حرام اشیاء کی بیع۔ ایسے سودا میں بیع کا گویا وجود ہی نہیں ہوتا کیونکہ مسلمان حرام یا ناپاک اشیاء کا مالک بن ہی نہیں سکتا کیونکہ حرام اور ناپاک مال مال متقوم ہی نہیں ہوتا۔ البتہ اہل کتاب یا غیر مسلم ناپاک یا حرام اشیاء کا معاہدہ کریں تو ان کی بیع درست ہوگی مثلاً دو اہل کتاب یا کافر شراب یا سور کی بیع کریں۔

ب۔ مبیع کے اعتبار سے: چار قسمیں ہیں۔

۱۔ بیع مقایضہ: ایسی بیع جس میں مال کا تبادلہ مال سے کیا جائے۔ اس بیع میں جن دو مالوں یا اشیاء کا تبادلہ کیا جائے ان میں سے ایک مبیع اور دوسرا ثمن یا قیمت کے قائم مقام بن جاتا ہے۔

۲۔ بیع صرف: اگر نقدی کی بیع نقدی سے کی جائے تو اس بیع کو صرف (یا صرافہ) کہتے ہیں۔ اور اس قسم کا کاروبار تجارت کرنے والے کو صراف کہتے ہیں۔ دراصل صرف، کے معنی نقدی کو اسی جیسی نقدی کے عوض فروخت کرنے کے ہیں

مثلاً روپے دے کر ریال لینا۔

بیع صرف بھی ایک قسم کی بیع مراطلہ ہے۔ بیع مراطلہ میں سونے کا سونے سے اور چاندی کا چاندی سے وزن میں برابر تبادلہ ہوتا ہے۔

۳۔ بیع سلم: ایسی بیع جس میں غیر حاضر مبیع کی قیمت پیشگی وصول کی جاتی ہے۔ بیع سلم کی ایک تعریف نقدی کو کسی مال سے فروخت کرنا بھی ہے۔ اس کا دوسرا نام بیع سلف بھی ہے۔ مفصل تعارف آگے آئے گا۔

۴۔ بیع مطلق: جب کوئی شئے دست بدست یا ادھار فروخت کی جائے، تو ایسی بیع کو بیع مطلق کہتے ہیں اور جب بیع کا لفظ بولا جائے تو عرف عام میں اسے بیع مطلق ہی سمجھا جاتا ہے اور اس کے علاوہ بیع کی کوئی خاص قسم کا نام لینا ہو تو اس قسم کا اصطلاحی نام (مثلاً مقایضہ، صرف، سلم وغیرہ) لیا جاتا ہے۔

ج۔ قیمت یا تجارتی نفع و نقصان کے اعتبار سے | ا۔ بیع مساومۃ: کوئی شئے کسی قدر نقد داموں کے عوض خریدی خواہ وہ دام اس شئے کی بازاری قیمت کے برابر ہوں یا کم و بیش

۲۔ بیع مرابحہ: نفع کی بیع (تفصیل آگے آئے گی)

۳۔ بیع تولیہ: ایسی بیع کہ مشتری نے جتنے میں کوئی شئے خریدی ہے اتنے میں ہی آگے فروخت کر دے۔

۴۔ بیع الضیعہ: نقصان یا گھاٹے کی بیع۔

بیع کی یہ تمام اقسام فقہاء احناف کے مطابق ہیں [1]

---

[1] عبدالرحمٰن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، حصہ المعاملات، کتاب البیوع، ص ۱۴۸

مالکیہ اور شوافع کے نزدیک بیع کی اقسام:۔ مالکیہ اور شافعیہ نے بیع کی اپنے اپنے انداز میں متعدد قسمیں بیان کی ہیں لیکن ان تمام کو دو بڑی قسموں میں لایا جا سکتا ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ **بیع صحیح**: جس میں بیع کے تمام ارکان اور شرائط موجود ہوں۔

۲۔ **بیع فاسد**: جس میں بیع صحیح کی تمام شرائط موجود نہ ہو۔

پھر ان دونوں کی آگے دو دو قسمیں بیان کی ہیں جائز اور ناجائز

بیع صحیح ناجائز کی مثال "تلقی الرکبان" اور بیع فاسد حرام کی مثال گابھن مادہ کے حمل کی بیع [1]

فصل چہارم

بیع مرابحہ اور بیع سلم

بیع کی یہ دو قسمیں کاروباری حیثیت سے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ کاروباری دنیا میں انہی دونوں کا استعمال زیادہ ہوتا رہا ہے۔ آج کل بیع کے ان دونوں طریقوں کو زیادہ ترویج دے کر پبلک اور نجی دونوں شعبوں میں تجارت کے لیے مالیات کی فراہمی کے مواقع زیادہ اور سہل بنائے جا سکتے ہیں۔ پاکستان کے بنک بھی بیع مرابحہ اور بیع سلم کے طریقوں کو استعمال کرنے کی سوچ رہے ہیں۔ لہٰذا اس فصل میں ان دونوں طریقوں کے چند احکامات بیان کیے جا رہے ہیں۔

بیع مرابحہ

تعریف: بیع مرابحہ نفع کی بیع کو کہتے ہیں۔ اس بیع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مشتری ایک شئے

[1] حوالہ بالا: ص ۱۵۳

باقاعدہ معاہدۂ تجارت سے خریدتا ہے پھر ثمن (یا قیمت) اوّل پر کچھ نفع مقرر کرکے اسے آگے کسی دوسرے مشتری کو فروخت کرکے منتقل کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص جس کے تجارتی معاملات میں تجربہ اور صداقت پر اعتماد کیا جاتا ہے وہ ایک شئے ۱۰۰ روپے میں خریدتا ہے۔ ایک دوسرا شخص اس پہلے شخص پر اعتماد کرکے کہتا ہے کہ وہ یہ شئے اس دوسرے شخص کو ۱۱۰ روپے میں فروخت کر دے۔ دراصل اس دوسرے شخص کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ شاید وہ خود معاہدہ بیع کرے تو وہ اس پہلے شخص جیسی اچھی چیز نہ خرید سکے اور شاید اس سے مالک شئے قیمت یا ثمن بھی زیادہ وصول کرلے یہی اعتبار عام تاجر تجارتی بنکوں پر کریں گے۔

مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ قیمت یا ثمن اول پر کچھ معلوم نفع لے کر بیچنا مرابحہ ہے اور یہ شرعاً جائز ہے البتہ پہلا مشتری یوں کہے گا "مجھے یہ مال اتنے روپے (مثلاً ۱۰۰ روپے) میں پڑا ہے۔ اس پر اتنا منافع (مثلاً دس روپے) لوں گا۔"

احکام: بیع مرابحہ کے چند اہم احکام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ بیع مرابحہ کی صحت کی دو شرطیں ہیں۔

ا۔ مبیع از قسم سامان Commodity ہو نقدی وغیرہ نہ ہو کیونکہ نقدی پر اضافہ کرکے بیچنا سود ہے۔

ب۔ مال کی قیمت مثلی ہونا چاہیے مثلاً رائج الوقت نقدی روپیہ، ریال وغیرہ کیونکہ اگر مثل نہ ہو تو اگر مشتری اس چیز کا مالک ہوگا تو بقیمت مالک ہوگا حالانکہ قیمت مجہول ہے اور قیمت کی پہچان صرف تخمینہ اور گمان سے ہوگی اور اس میں خیانت کا شبہ ہے حالانکہ خیانت کا شبہ بھی اسلام کے قانونِ تجارت میں جائز نہیں۔ اور جب ثمن مثلی نہیں ہے تو تخمینی قیمت سے بطور مرابحہ فروخت کرنا جائز نہیں[1]

---

[1] عبدالرحمٰن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ: قسم المعاملات ج ۲، ص ۲۸۰ تا ۲۸۱

۲۔ بیع مرابحہ کرتے وقت مشتری اپنے وہ اخراجات ثمن میں شامل کرسکتا ہے جو اس نے شئے کو قبضہ میں لانے کے لیے کیے ہیں مثلاً مال کا کرایہ، مزدوروں کی مزدوری، باردانہ کے اخراجات وغیرہا۔ ان تمام اخراجات کو شامل کرکے مشتری اول مشتری ثانی کو یوں کہے "یہ شئے مجھے اتنے میں پڑی ہے" اور یوں نہ کہے "میں نے اتنے کو خریدی ہے"، تاکہ جھوٹ بولنے سے بچ جائے[1]

۳۔ بیع مرابحہ میں اگر مشتری کو کسی خیانت پر اطلاع ہوئی تو امام ابوحنیفہؒ کے مطابق اس کو اختیار ہے چاہے پورے ثمن میں لے لے یا واپس کر دے۔ البتہ اگر مبیع واپس کرنے سے قبل ہی تلف ہو جائے یا اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو جائے۔ جو واپسی میں مانع ہے تو مشتری کے ذمہ پورا ثمن یا قیمت ہوگی۔ امام ابویوسفؒ کی رائے میں بیع مرابحہ میں اگر خیانت پر مطلع ہو تو خیانت کے بقدر ثمن یا قیمت کم کر دے[2] فقہاء کرام کے نزدیک بیع تولیہ کے بھی یہی احکام ہیں۔

بیع سلم

مفہوم: بیع سلم کو بیع سلف بھی کہتے ہیں اس بیع کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک معاہدہ کے تحت بائع مشتری سے ایک غیر حاضر مبیع کی قیمت پیشگی وصول کرلیتا ہے اور مبیع ایک مقررہ مدت کے بعد مشتری کے سپرد کر دیتا ہے۔ البتہ وہ مشتری کو جس مبیع کا وعدہ کرتا ہے اس کا وصف اس طرح بیان کر دیتا ہے کہ کسی قسم کا ابہام نہیں رہتا۔

جواز: بیع سلم از روئے قرآن، حدیث، تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجماع فقہاء امت

---

[1] عبدالرحمٰن الجزیری، ص ۲۸۱: - الہدایہ، باب المرابحہ والتولیۃ، ص ۸۳

[2] عبدالرحمٰن الجزیری، حوالہ بالا، ص ۲۸۱، الہدایہ، ج ۳، ص ۲۲

کے جائز ہے۔ فقہاء نے قرآن مجید کی اس آیت کو سلم کی سند جواز قرار دیا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ ط [1]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم آپس میں ادھار کا معاملہ ایک مدت مقررہ تک کرو تو اسے لکھ لیا کرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارکہ میں ہر ایسی شئے کی بیع سے منع فرمایا جو بائع کے پاس موجود نہ ہو مگر سلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی [2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری روایت میں فرمایا:

من اسلف فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم والی اجل معلوم [3]

ترجمہ: جو شخص پھلوں میں بیع سلف کرے اسے چاہیئے کہ وزن معلوم، پیمانہ معلوم اور مدت معلوم تک سلف کرے۔

عن عبد اللہ ابن ابی اوفی قال: انا کنا لنسلف علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر (رضی اللہ عنہما) فی الحنطة والشعیر والتمر والزبیب۔ [4]

ترجمہ: عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں گیہوں، جو، چھوہارے اور منقہ میں بیع سلف کیا کرتے تھے۔

---

[1] سورۃ البقرۃ (۲): ۲۸۲

[2] روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع مالیس عند الانسان ورخص فی السلم (ذکرہ قرطبی: شرح المسلم باب السلم)

[3] ترمذی: الجامع، کتاب البیوع

[4] بخاری: صحیح، کتاب البیوع۔ باب السلم

شرائط سلم سلم کی صحت کے لیے جو شرائط ضروری ہیں انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے
۱۔ شرط عقد: نفس عقد میں جو شرط ہے وہ صرف ایک ہے کہ عقد سلم میں دونوں عاقدین میں سے کسی کے واسطے شرط خیار نہ ہو یعنی اگر کسی نے اپنے واسطے شرط کیا تو سلم باطل ہو گی اور اگر راس المال پر قبضہ ہونے کے بعد دونوں جدا ہو گئے پھر کسی نے ثابت کیا کہ یہ مال میری ملکیت ہے، پھر مستحق نے اجازت دی تو سلم صحیح رہے گی۔ اور اگر عاقدین میں سے کسی واسطے خیار شرط ہو مگر جدائی بدنی سے پہلے اس نے اپنا خیار ساقط کر دیا حالانکہ رأس المال مسلم الیہ کے ہاتھ میں قائم ہے تو عقد سلم جائز ہو جائے گا اور اگر رأس المال تلف ہو گیا یا تلف کر دیا گیا ہو تو بالاتفاق عقد مذکور بدل کر جائز نہ ہو گا[1]

۲۔ شرائط عوض: وہ شرائط جو عوض سے متعلق ہیں وہ تعداد میں ۱۶ ہیں جن میں سے ۶ کا تعلق رأس المال سے ہے اور ۱۰ کا تعلق مسلم فیہ (جس مال یا سودا یا شئے میں سلم ٹھہرائی ہو) سے ہے شرائط عوض کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ شرائط رأس المال۔

ب۔ شرائط مسلم فیہ

۱۔ **شرائط رأس المال**: رأس المال میں چھ شرائط ہیں۔

ا۔ رأس المال کی جنس معلوم ہو۔ یعنی کرنسی ہو گی یا مال؟ ۔ کیلی ہو گی۔ یا وزنی؟ اور

---

[1] الکاسانی، علاؤ الدین: بدائع الصنائع، کتاب البیوع، باب السلم۔

[2] شرائط سلم کی ساری بحث علامہ سید مولانا امیر علیؒ کی کتاب عین الہدایہ، ج ۳، قانونی کتب خانہ لاہور سے ماخوذ ہے، ص ۱۵۰-۱۵۲۔ مولانا مرحوم نے فقہ کی امہات الکتب سے یہ سارا مواد اکٹھا کیا ہے ہم نے صرف ترتیب میں تبدیلی کی ہے۔

کیلی میں اناج ہوگا یا پھل ؟ وغیرھا۔

۲۔ بیان قسم مثلاً روپے یا ریال یا ڈالر۔ یہ شرط اس وقت ہے جب ایک شہر میں مختلف سکے رائج ہوں۔

۳۔ بیان صفت، کھرا یا کھوٹا یا اوسط درجہ کا۔ یہ شرط ان دنوں تھی جب سکے سونے یا چاندی کے تھے جو کھوٹے ہونے کے باوجود قابل قدر تھے ان کا کھوٹا ہونا یہ ہوتا تھا کہ ان کے نشانات مٹے ہوتے تھے ورنہ وہ سونا یا چاندی تو ہوتے ہی تھے

۴۔ بیان مقدار رأس المال۔ یہ اس وقت ہے جب رأس المال مقداری ہو یعنی کیلی یا وزنی ہو اور اگر مقداری نہ ہو تو صرف اشارہ ہی کافی ہے۔ اس کی مقدار جاننا بالاتفاق فقہا، شرط نہیں۔

اگر دو مختلف چیزوں میں سلم ٹھہرائی اور رأس المال کیلی یا وزنی ہے تو سلم جائز نہ ہوگی یہاں تک کہ ہر ایک کا الگ الگ حصہ بیان کیا جائے۔ یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے اور اگر کیلی یا وزنی نہ ہو تو پھر تفصیل کی ضرورت نہیں۔ البتہ صاحبینؒ (ابویوسفؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک سب صورتوں میں سلم جائز ہے۔

۵۔ درم و دینار (یعنی کرنسی) خوب جانچے ہوئے ہوں اور مقدار معلوم ہو۔

۶۔ رأس المال پر مجلس سلم (یعنی جس مجلس میں سلم کا سودا ہوا ہے) میں ہی قبضہ کر لینا ضروری ہے۔

مسلم فیہ کی شرائط: (۱) مسلم فیہ کی جنس متعین ہو مثلاً گندم یا روئی، کھجور یا زیتون۔

۲۔ اس کی نوع کا بیان ہو مثلاً پہاڑی پیاز یا میدانی پیاز، سواتی شہد یا بہاولپوری شہد وغیرہا۔

۳۔ اس کی صفت کا بیان ہو مثلاً عمدہ گیہوں یا ادنی گیہوں، اعلیٰ کھجور یا اوسط درجہ کی (النہایۃ)۔

۴۔ اس کی مقدار بذریعہ پیمانہ یا وزن یا گنتی معلوم ہو (بدائع)

۵۔ اس کی میعاد معلوم ہو حتیٰ کہ اگر فی الحال سپرد کرنے پر سلم ٹھہرائی تو جائز نہیں۔ پھر کم از کم میعاد ایک ماہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (المحیط)

۶ جس شئے میں سلم ٹھہرائی گئی ہے وہ وقتِ عقدِ سلم سے میعاد سپردگی تک برابر موجود رہی ہو یعنی بازار میں اس کا آنا منقطع نہ ہو (الفتح) اور منقطع کا مفہوم یہ ہے کہ بازار میں آنا بند ہو جائے بے شک لوگوں کے گھروں میں موجود ہو (السراج)

۷۔ سلم فیہ ایسی شئے ہو جو معین کرنے سے متعین ہوتی ہو اور جو چیز خود بخود متعین ہو مثلاً کرنسی) نقدی اس میں سلم جائز نہیں (النہایۃ)

۸۔ مسلم فیہ چار جنس میں سے ہو کیلی ہو یا وزنی ہو یا گنتی کے قابل ہو یا ناپنے کی چیز ہو (المحیط) لہٰذا حیوان یا اس کے جسم کے اعضاء کی سلم جائز نہیں (السراج)

۹۔ جس مسلم فیہ کی منتقلی پر اخراجات آتے ہوں اس کا منتقلی کا مقام معلوم ہو (الکافی)۔

۱۰۔ سلم کے دونوں بدل میں سے کسی میں قدر و جنس کی کوئی علت نہ ہو اور یہ نقود کے سوا تمام صورتوں میں جاری ہے کیونکہ درم و دینار کو وزنی چیزوں کی سلم میں دینا بوجہ لوگوں کی ضرورت کے جائز ہے (الذخیرہ)۔

جب بیع سلم درست ہوگئی پھر مسلم فیہ کو مسلم الیہ (بائع) نے اپنے وقت پر حاضر کیا تو رب السلم (یعنی مشتری) کو انکار کا کوئی حق نہیں لیکن اگر شرط کے خلاف ہوا تو مسلم الیہ پر جبر کیا جائے گا کہ وہ ویسی ہی چیز حاضر کرے جیسی چیز پر عقد ہوا ہے۔

سلم کہاں جائز نہیں: سلم میں مسلم فیہ لامحالہ دین ہے۔ لہٰذا جن چیزوں میں بیاج (سود)

جاری ہوتا ہے خواہ نقد میں یا ادھار میں ان کی باہم سلم ناجائز ہے۔ کیلی چیز کو کیلی چیز کی سلم میں دینا جائز نہیں ہے۔

فصل پنجم

قبضہ سے پہلے مبیع میں تصرّف کے احکام

کاروبار تجارت میں یوں بھی ہوتا ہے کہ مشتری مبیع کو خریدتا ہے اور اس پر قبضہ سے پہلے اُسے آگے فروخت کر دیتا ہے کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اس سوال کا جواب یہاں درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ **منقولہ اشیاء:** (۱) اگر مبیع ایسی اشیاء پر مشتمل ہے جو قابل انتقال و تحویل ہیں یعنی اُنہیں ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل کیا جا سکتا ہے اور کسی کے حوالے بھی کیا جا سکتا ہے۔ ان کی بیع مکمل قبضہ اور تحویل کے بغیر جائز نہیں۔ یہ ممانعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان مبارک کی رو سے ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و اسباب کو اسی جگہ فروخت کرنے سے منع فرمایا جہاں وہ خرید اگیا ہو البتہ تاجر اسے اپنی جگہ پر منتقل کر کے اپنے قبضہ میں کر لے تو بیع درست ہو گی۔[۱]

ممانعت کی دوسری وجہ یہ قیاس ہے کہ کہیں مبیع کے تلف ہونے پر معاہدہ بیع فسخ نہ ہو جائے۔ فرض کریں وہ مبیع پہلے مشتری کے قبضہ میں ہی تلف یا ہلاک ہو گئی تو دوسرے مشتری کو مل ہی نہیں سکے گی اور اس صورت میں عقد بیع فسخ ہو جائے گا۔ اس احتمال میں مبیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا ناجائز ہو گا۔[۲]

۲۔ اشیاء منقولہ کیلی ہوں یا وزنی اُنہیں جب مشتری اپنے قبضہ میں کر لے اور آگے کسی دوسر

۱۔ ابوداؤد: السنن، کتاب البیوع؛ ابن حبان: صحیح، کتاب البیوع، کما رواہ الحاکم۔

۲۔ [illegible]

شخص کو فروخت کرے تو دوبارہ ناپ تول کر بیچے کیونکہ یونہی اندازہ سے بیچنے سے نزاع اور مناقشہ کا احتمال رہے گا یہ حکم اناج کی بیع کے لیے بالخصوص ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اناج کو دوبار تولے بغیر فروخت کرنے سے منع فرمایا:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الطعام حتی یجری فیہ صاعان صاع البائع وصاع المشتری [۱]

۳۔ اگر کیلی اور وزنی چیزیں اندازہ کر کے خرید کی جائیں تو ان کے ناپ و تول سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں زیادتی مشتری کی ہوتی ہے مثلاً اگر بائع نے ایک ڈھیر گندم .... ا روپے میں فروخت کیا اور دس من گندم اس میں اندازا بتایا۔ اب مشتری کو بغیر تولے اس میں تصرف جائز ہے کیونکہ دس من سے زیادہ ہے تو بھی مشتری کی ملکیت ہے، اس لیے کہ مشتری نے تو ڈھیر گندم کا خریدا ہے وہ دس من ہو یا کم و بیش [۲]

۴۔ اگر مبیع ایسی شئے ہے جسے عدداً شمار کر کے بیچا جائے مثلاً کپڑے کے گز، مویشی، اخروٹ، انڈے، پھل وغیرہ تو ان میں صاحبین (امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ) کے مطابق دوبارہ گننے یا شمار کرنے سے قبل تصرف جائز ہے کیونکہ اگر کہیں ان کے عدد میں کمی ہوئی تو یہ بھی یاد ہو گا کہ کتنے عدد خرچ کیے گیے ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہؒ کی رائے میں تصرف سے قبل دوبارہ گننا اور شمار کرنا ضروری ہے [۳]

---

[۱] ابن ماجہ: السنن، کتاب البیوع

[۲] الہدایہ، کتاب البیوع فصل التصرف قبل القبض۔

[۳] حوالہ بالا۔

غیر منقولہ اشیا کی بیع: ایسی اشیاء جنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جا سکتا اور وہ طبعاً اور عادۃً تلف ہونے والی نہیں ہیں (مثلاً زمین، مکان وغیرہ) ان کی بیع بدون قبضہ کے جائز ہے اور اس کا اجرت پر دینا بھی جائز ہے یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے البتہ امام محمدؒ کو بیع کرنے اور اجارہ پر دینے دونوں صورتوں میں قبضہ سے قبل اختلاف ہے[1]

فصل ششم

مبیع کے مرافقات اور حقوق

مبیع کے حقوق اور مرافقات سے مراد وہ حصہ یا سامان یا احاطہ یا پانی کا کنواں یا راستہ وغیرہا ہیں جو عرفاً مبیع کے تحت آتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ مکان یا دکان کی بیع: مکان یا دکان کی بیع میں اس کی تمام عمارت، صحن، زمین، اس کا خاص راستہ، پائخانہ، تنور، باغیچہ، چار دیواری، مکان کی چابیاں جو ان تالوں کی ہوں جو دروازوں میں جڑے ہوں، یہ سب مکان کی بیع میں شامل ہیں[2]

۲۔ زمین کی بیع: زمین کی بیع میں درخت (بشرطیکہ وہ زمین میں برقرار رہنے کے واسطے ہوں) شامل ہوں گے خواہ بیع زمین میں ان کا ذکر نہ کیا گیا ہو مگر زمین میں بوئی ہوئی فصل زمین کی بیع میں شامل نہیں ہوگی کیونکہ وہ زمین میں برقرار ہونے کے واسطے

---

[1] حوالہ بالا۔

[2] مرغینانی: البدایہ، مکتبہ ا۔ کتاب البیوع ۳، ص ۳۰

نہیں ہوتی۔اس کی مثال اس سامان کی سی ہے جو فروخت کیے جانے والے گھر میں رکھا ہو۔اسی طرح اگر مبیع زمین میں بیج ڈالا گیا ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوا وہ بھی بائع کا ہوگا[1]

۳۔ پھل دار درختوں کی بیع: پھل دار درختوں کی بیع میں ان کے پھل شامل نہیں ہوتے الّا یہ کہ مشتری معاہدہ بیع درختان میں یہ وضاحت کرالے کہ درختوں کے پھل بھی شامل ہوں گے[2] پھل دار درختوں کی بیع کے بقیہ مسائل آگے آئیں گے۔

۴۔ ناپ تول کے اخراجات: ناپنے والے کی اُجرت اور ثمن یا قیمت پرکھنے والے کی اُجرت بائع کے ذمہ ہوگی دراصل بائع کی ذمہ داری ہے کہ مبیع کا پورا پورا ناپ یا تول دے اور مشتری نے ثمن رقیمت دینا ہوتی ہے۔اب ثمن پورا دیا یا کم دیا اس کی احتیاط بھی بائع کرے گا، لہٰذا ثمن کی ادائیگی کے بعد پرکھنے والے کی فیس بھی بائع ادا کرے گا[3]

ثمن کو تولنے یا قیمت کو شمار کرنے کے اخراجات مشتری کے ذمہ ہیں کیونکہ مشتری کی ذمہ داری ہے کہ وہ ثمن اور قیمت پورا پورا ادا کرے[4]

فصل ہفتم
چند اشیاء کی بیع کے مسائل

فقہاء اسلام نے اپنی کتب میں چند مخصوص اشیاء کی بیوع کا بطور خاص ذکر کیا ہے یہ ایسی اشیاء

---

[1] مرغینانی الہدایہ۔مکتبہ امدادیہ ملتان

[2] ایضاً، ص ۳۳

[3] ایضاً، ص ۳۴

[4] ایضاً، ص ۳۳

ہیں جن کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ یہاں مختلف عنوانات سے ایسی اشیاء کی بیع کے مسائل درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ **پھلوں کی بیع:** پھلوں کی بیع کی چند صورتیں ہیں۔

۱۔ اگر پھلوں کو ظاہر ہونے سے پہلے فروخت کیا تو ان کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے کیونکہ یہ ایسی اشیاء کی بیع ہو گی جن کا وجود ہی نہیں ہے، یہ ممانعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کی رو سے ہے جس میں آپ نے فرمایا: ایسی چیز کی بیع نہ کرو جو تمہارے پاس نہیں" (لا تبیع ما لیس عندك)

۲۔ اگر پھل ظاہر ہو گیے ہوں اور ان کی صلاحیتِ نفع ظاہر ہو گئی ہو تو ان کی بیع جائز ہے۔ بیع کے بعد مشتری پر ان کا درختوں سے توڑ دینا واجب ہو گا اور اگر مشتری نے ان کے درختوں پر باقی رہنے کی شرط کے ساتھ بیع کی ہو گی تو بیع فاسد نہیں۔[۱]

۳۔ اگر پھل پک گیے اور انہیں توڑ لینے کی شرط پر بیچا یا بغیر توڑ لینے کی شرط کے ذکر کے بیچا تو بیع درست ہو گی اور اگر انہیں درختوں پر باقی رہنے کی شرط پر بیع کی گئی تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے مطابق بیع فاسد ہو گی اور امام محمدؒ کے نزدیک بیع استحساناً درست ہو گی۔[۲]

۴۔ اگر پھلوں میں سے بعض ظاہر ہو گیے اور بعض ظاہر نہ ہوئے تو ان کی بیع ظاہر مذہب میں درست نہیں۔ بعض فقہاء احناف مثلاً شیخ حلوانیؒ، شیخ فضلیؒ وغیرہ ہما نے پھلوں اور سبزیوں مثلاً بینگن، خربوزے، کھیرے ککڑی وغیرہا کی بیع کے جواز کا فتویٰ دیا ہے

---

[۱] مرغینانی: الہدایہ، حوالہ بالا، ص ۳۱، ۸۸۔

[۲] ایضاً، ص ۳۱، ۸۸۔

اور اس کا طریقہ یہ بتایا ہے پھل مع درخت اور زمین کے خرید ے اور ہر ایک کا ثمن الگ الگ بتائے اور فصل یا پھلوں کے توڑ لینے کے بعد زمین کا اقالہ کر دے ۔[۱]

۲۔ گھاس کی بیع : گھاس کی بیع کے چند اہم مسائل درج ذیل ہیں ۔

۱۔ گھاس خواہ اپنی مملوکہ زمین میں ہو اس کی بیع اور اجارہ درست نہیں ۔ البتہ اگر اُسے خود اگایا ہو یا اُگے ہوئے کی حفاظت کی ہو آبپاشی کی ہو اور اس کی افزائش پر خرچ کیا ہو تو اس کی بیع واجارہ درست ہے ۔[۲]

۲۔ اگر کسی نے ایسی گھاس جس پر اخراجات آئے ہوں بغیر مالک کی اجازت کے کاٹا تو اس کے واپس لینے کا اختیار مالک کو ہوگا ۔[۳]

۳۔ غصب شدہ مال یا شئے کی بیع : (۱) اگر غصب شدہ مال کو غاصب کے سوا

کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا تو بیع موقوف ہوگی ۔ اگر غاصب نے اقرار کر لیا تو بیع لازم ہوگی اور اگر غاصب نے انکار کر دیا حالانکہ اصل مالک (مغصوب منہ) کے گواہان موجود ہیں تو یہی حکم ہے[۴] اور اگر اصل مالک کے پاس گواہ نہ ہوں اور غاصب اقرار نہ کرے حتی کہ مبیع تلف ہوگئی تو بیع ٹوٹ گئی ۔ باقی تینوں آئمہ اہل سنت کے نزدیک بیع نہیں ہوتی ۔[۵]

---

[۱] شمس الائمہ سرخسی، محمد بن احمد : المبسوط، کتاب البیوع ۔

[۲] ایضاً، ص ۳۳ ۔

[۳] ایضاً، ص ۳۳

[۴] عبدالرحمن الجزیری : کتاب الفقہ (۲)، ص ۔ ۲۴۰

[۵] حوالہ بالا، ص ۲۴۰

۴۔ ارض الاکارہ کی بیع۔ ارض الاکارہ ایسی زمین کو کہتے ہیں جو کاشتکاری پر دی گئی ہو۔ اس کی بیع کے احکامات کا خلاصہ[1] یہ ہے۔

۱۔ اگر ایسی زمین کو اس کا اصل مالک فروخت کرے تو بیع درست ہو گی اور اگر کاشتکار نے فروخت کی تو بیع درست نہ ہو گی۔

۲۔ البتہ مدت مزارعت کے اندر اندر جو زمین کی پیداوار ہو گی اس کی بیع میں مزارع کی بیع معتبر ہو گی بے شک بیج زمیندار کا ہو۔

فصل ہشتم

اقالہ

معنی ومفہوم: اقالہ کے معنی ہیں معاہدہ بیع فسخ کرنا۔ تجارتی کاروبار کی تاریخ میں ایسے واقعات بے شمار ہیں جہاں بائع اور مشتری میں سے کوئی ایک معاہدہ بیع کر کے نادم ہوا یا پشیمان ہوا مگر اس کی ندامت یا پشیمانی معاہدہ بیع کے التزام سے اُسے چھٹکارا نہ دلا سکی اور طوعاً و کرھاً اُسے معاہدہ بیع قبول کرنا پڑا۔ مگر اسلام کے رحیمانہ قانونِ تجارت نے انسانوں کی اس ندامت کے لیے راہیں کشادہ کی ہیں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اقالہ کی ترغیب کن خوش الفاظ میں دی ہے۔

من اقال نادما بیعه اقال الله عثراته یوم القیامة[2]

ترجمہ: جس کسی نے نادم کو اس کی بیع کا اقالہ کر دیا اللہ کریم قیامت کے دن اس کی خطاؤں کا اقالہ (دور) کر دے گا اقالہ کے جواز پر اہل سنۃ کے چاروں آئمہ کرامؒ کا اتفاق ہے

---

[1] سید مولانا امیر علیؒ: عین الهدایہ (شرح الهدایہ) ج ۳، ص ۸۸۔

[2] ابوداؤد، السنن، کتاب البیوع۔

اقالہ کے الفاظ: اقالہ امر (مستقبل) کے صیغہ میں بھی جائز ہے اور ماضی میں بھی۔ البتہ بہتر یہی ہے کہ اقالہ کے صیغے ماضی میں ہوں۔ امر میں یوں کہا جا سکتا ہے (بائع نے مشتری سے کہا) "میرے ساتھ اقالہ کرلو" مشتری نے جواب میں کہا "میں نے کرلیا" ماضی میں یوں کہے گا (مشتری): میں نے آپ کے ساتھ اقالہ کرلیا" بائع جواباً کہے "میں نے بھی کرلیا"

مسائل اقالہ: (۱) اقالہ ثمن اول کے مثل پر جائز ہے اور اگر بائع نے ثمن اول سے زیادہ اور مشتری نے ثمن اول سے کم کی شرط پر اقالہ کیا تو درست نہ ہوگا۔ البتہ اگر مشتری کے پاس بیع میں کوئی نقص پیدا ہوتا ہے تو مشتری سے ثمن اول سے کم پر اقالہ درست ہوگا[1]

۲۔ اگر اقالہ ثمن اول کے سوا کسی دوسری جنس پر کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ اقالہ ثمن پر ہوگا اور غیر جنس ثمن کا نام لینا ہی لغو ہے[2]

۳۔ اگر اقالہ کے ذریعے بیع کو فسخ ٹھہرانا ناممکن ہو تو اقالہ باطل ہوگا۔ مثلاً مبیع گائے تھی جس نے مشتری کے قبضہ کے بعد بچہ جنا، اب ماں کو دودھ پیتے بچے سے الگ (بذریعہ اقالہ) کرنا قرین مصلحت نہیں، للٰہذا یہاں اقالہ درست نہیں ہوگا[3]

۴۔ اقالہ مبیع کے مشتری کے قبضہ میں جانے سے قبل بھی درست ہے اور بعد میں بھی خواہ مبیع منقول (قابل نقل وحمل) ہو یا غیر منقول (مثلاً زمین) وغیرہا[4]

۵۔ اگر مبیع تلف یا صرف ہو جائے تو اقالہ نہیں ہوگا اور اگر مبیع کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تو اس

---

[1] تاج الشریعۃ محمود محبوبیؒ: وقایۃ مختصر الہدایہ۔ کتاب البیوع، باب الاقالہ۔

[2] مرغینانیؒ: الہدایہ، کتاب البیوع، باب الاقالہ،

[3] حوالہ بالا

[4] حوالہ بالا۔

میں اقالہ درست ہو گا۔

۶ اگر مبیع مقایضہ ہو یعنی طرفین نے مال کے بدلے مال دیا ہو تو بھی اقالہ درست ہے۔ اور اگر ایک طرف کا مال ہلاک ہو جائے یا تلف ہو جائے تو بھی اقالہ درست ہے۔ اس صورت میں دوسری طرف اُس مال کی قیمت ادا کرے گی [۱]

فصل نہم

بیع مکروہ

اسلام کے عادلانہ قانون تجارت نے چند اقسام بیوع کو مکروہ قرار دیا ہے جس کی وجہ ان تجارتی استحصالی حربوں کو ختم کرنا ہے جن کی وجہ سے سرمایہ دار تجار غریب صارفین اور سادہ لوح عوام کا معاشی استحصال کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اسلام کے قانون تجارت میں مندرجہ ذیل بیوع کو مکروہ قرار دیا ہے۔

۱۔ **نجش:** نجش کے فقہی اصطلاحی معنی میں صرف مبیع کی قیمت بڑھانے کے لیے بولی دینا تاکہ دوسرے ضرورت مند تاجر یا صارف بھی زیادہ دام دینے پر آمادہ ہو جائیں اور اس طرح ضرورت مند بھائی کو زیادہ قیمت دینے پر آمادہ کر کے اس کی ضرورت اور حاجت سے غلط فائدہ اُٹھایا جائے۔ ایسے پیشہ وارانہ قیمت بڑھانے والے ظالم لوگ عموماً مالکین سے ملے ہوئے ہوتے ہیں اور کسی ضرورت مند کو تاڑ کر مبیع کی قیمت بڑھانے کے لیے بولی دیتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکروہ سازش سے منع کرنے کے لیے فرمایا

---

[۱] مرغینانی الہدایہ: کتاب البیوع

ولا تناجشوا

ترجمہ: آپس میں بخش نہ کیا کرو۔

بیع بخش کے جواز کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس مبارک فعل کا سہارا لینا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک فقیر، محتاج اور قرضدار صحابی رضی اللہ عنہ کی دو چیزیں (پیالہ اور کمبل —— جو اس کی کل کائنات دنیا تھیں) لے کر بیع من یزید (یعنی خرید ے گا وہی جو زیادہ قیمت دے گا) کے طور پر فروخت فرمائیں - دراصل وہ اُس بزرگ صحابی رضی اللہ عنہ کی مدد کرنے کا ایک ذریعہ تھا، اس پر آج کے تجار اپنے استحصالی حربوں کو قیاس کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل برائے تعاونِ خیر کا مذاق نہ اُڑائیں۔

جب بائع اور مشتری نے بیع کے بارے میں ایجاب وقبول کر لیا ہو

۲- **بولی پر بولی دینا:** تو کسی دوسرے شخص کو بولی دینے کی اجازت نہیں۔ ایسا کرنا جہاں ایک طرف مبیع کی قیمت بڑھانے کا ذریعہ بنتا ہے وہاں دوسری طرف اس سے بھی زیادہ ضرر رساں بات یہ ہوتی ہے کہ ضرورت مند مشتری کو اس مبیع کے حصول میں مشکلات پیش آتی ہیں اور اس طرح دو شخصوں (پہلا اور دوسرا مشتری) میں بخش اور انتقام کے جذبات بھی جنم لیتے ہیں اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی:

لا یستام الرجل علی سوم اخیہ [۲]

ترجمہ: کوئی شخص اپنے بھائی کی بولی پر بولی نہ دے۔

۳- **تلقی الجلب اور بیع الحاضر للباد:** مکروہ بیع کی ان دونوں قسموں (جو بعض

---

[۱] متفق علیہ، کتاب البیوع، بیان بیع البخش۔

[۲] متفق علیہ، کتاب البیوع، لا یسوم احد علی سوم اخیہ

اوقات حرام کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں) کا تعارف پہلے کرایا جاچکا ہے [1]

۴۔ اذان جمعہ کے وقت بیع: آذان جمعہ کے وقت خرید و فروخت کرنا مکروہ ہے۔ یہ وقت اللہ کریم کی یاد اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر باجماعت اللہ کریم کی نماز ادا کرنے کا ہوتا ہے اس وقت بیع کی مشغولیت اللہ کریم کی یاد ـــــ جو اس وقت فرض ہوتی ہے ـــــ سے غفلت کا سبب بن جاتی ہے، لہٰذا ان اوقات میں کاروبار تجارت کو بند کرنا ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ [2]

ترجمہ: جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کریم کی یاد (نماز جمعہ) کی طرف لپکو اور تجارتی لین دین بند کر دو۔

آذان اول بعد از زوال معتبر ہے اور اسے سن کر نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے چلنا واجب ہے۔ البتہ چلتے چلتے بیع کرنے میں مضائقہ نہیں۔

فصل دہم

بیع فاسد

مفہوم: بیع صحیح کی جمیع شروط میں سے جب کوئی شرط کسی معاہدہ بیع میں نہ پائی جائے تو وہ بیع فاسد ہے کبھی ایسی بیع باطل ہوتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے ہم ان صورتوں

---

[1] ان دونوں قسموں کا ذکر اور ان کی ممانعت باب ۳ میں مذکور ہے۔ وہاں سے ملاحظہ کرلیں۔

[2] سورۃ الجمعہ (۶۲) : ۹

کا اور ان اشیاء کا ذکر کرتے ہیں جن سے بیع باطل اور فاسد ہوتی ہے۔

بیع فاسد اور باطل میں فرق: (۱) بیع باطل اس وقت ہوتی ہے جب معاملہ بیع کا اصل اور شریعت مطہرہ کے موافق نہ ہو۔ اصل سے مراد ہے بیع کا رکن اور محل۔ بیع کا رکن ہے ایجاب و قبول اگر ایجاب و قبول غیر اہل (مثلاً مجنون، بچہ، مکرہ یا غیر مالک) سے ہو تو رکن میں خلل واقع ہو گا۔ محل بیع وہ مال یا سامان یا مبیع ہے جس کی بیع و شراء کا معاہدہ ہو رہا ہے اس لیے صحت بیع کے لیے ضروری ہے کہ محل بیع مال متقوم ہو یعنی وہ شرعاً قدر و قیمت رکھتا ہو، حرام اور ناپاک نہ ہو اگر مال متقوم نہ ہو تو بیع باطل ہو گی۔

وصف سے مراد وہ امر ہے جو رکن اور محل سے خارج ہو مثلاً کوئی ایسی شرط لگائی گئی ہو جو مقتضائے عقد کے مخالف ہو۔

۲- بیع فاسد وہ ہوتی ہے جس میں خلل اور نقص رکن بیع اور محل بیع کے علاوہ کسی شرط میں آئے مثلاً قیمت میں ناپاک یا ناجائز چیز دی جائے یا بائع مشتری کو اپنی مبیع اس شرط پر فروخت کرے کہ وہ اُسے (بائع کو) قرض حسنہ دے یا اس کے بیٹے کو ملازم کرا دے۔ اور اس شرط کا ذکر زبانی حد تک نہیں بلکہ معاہدہ کی عبارت میں تحریر ہوا اور اگر تحریر ممکن نہ ہو یا تحریر کا رواج نہ ہو تو زبانی شرط بھی معاہدہ بیع کو فاسد کر دے گی۔

۳- بیع باطل اور بیع فاسد میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ بیع باطل سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتی جبکہ بیع فاسد منعقد ہو جاتی ہے البتہ اتنا خیال رکھا جائے گا کہ وہ شرط جو معاہدہ بیع کے فاسد ہونے کی وجہ بنے گی اُسے مشتری پورا نہیں کرے گا۔ بائع وہ شرط واپس لے لے تو بیع درست ہو جائے گی۔

۴- بیع فاسد میں مبیع ملکیت میں آنے کے بعد اس سے تصرف کا فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے جب کہ بیع باطل سے قبضہ کے بعد بھی تصرف کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

بیع باطل کی صورت میں مبیع مشتری کے پاس امانت ہے یہ امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے اور صاحبینؒ (ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے مطابق وہ ضمانت ہے لہٰذا اس کے تلف یا ہلاک ہونے کی صورت میں مشتری قیمت ادا کرے گا۔

بیع فاسد کی چند اقسام | فقہاء کرام نے مندرجہ ذیل انواع بیوع یا صورتوں کو فاسد قرار دیا ہے

ا۔ مبیع کا بائع کی ملکیت تامہ نہ ہونا: کسی ایسے مال یا شئے کی بیع جو بائع کی ملکیت تامہ نہ ہو مثلاً دریا میں مچھلی، فضا میں اُڑتے ہوئے پرندے، حیوان کے پیٹ میں بچہ، مرغی کے پیٹ میں انڈا، گائے، بھینس، بکری وغیرہ کے تھنوں میں دودھ، بھیڑ، بکری اور اونٹ کی کھال پر موجود اون، اسی طرح ایک بار جال پھینکنے میں جو مچھلی آئے یا ایک بندوق کے نشانہ سے جتنے جانور شکار ہو جائیں وغیرہا کی بیع بیع، فاسد ہے۔

ب۔ بیع مزابنہ: (درختوں پر پھلوں کے توڑے ہوئے پھلوں سے بیع)، بیع محاقلہ (بالیوں میں اناج کی بیع تیار شدہ اناج کے ساتھ) بیع القاء الحجر (کنکری پھینک کر بیع) بیع ملامسہ (چھونے سے بیع) بیع منابذہ (مبیع پھینک دینے سے بیع)، بیع الکالی بالکالی یا بیع الدین بالدین (اُدھار کی اُدھار سے بیع)، غیر معین اشیاء کی بیع، بیع ثنیا (جس بیع میں سودا کرتے وقت مبیع کی چند اکائیوں یا چیزوں کو مستثنیٰ کر دیا جائے بالخصوص باغ کے پھل دار درختوں کی بیع میں)، بیع عریان (بیعانہ یا سائی دے کر معاہدہ بیع کرنا) بیع مضطر (مجبور و مقہور کی بیع) وغیرہا۔

ان بیوع کی ممانعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتناعی کلمات پڑھیے

۱۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم عن المحاقلۃ والمزابنۃ والمخابرۃ والمعاومۃ وعن الثنیا ورخص فی العرایا[1]

---

[1] مسلم، جامع الصحیح للقشیریؒ کتاب البیوع

ترجمہ : حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاقلت مزابنت، مخابرت، معاومت[1] اور ثنیا سے منع فرمایا البتہ عرایا[2] کی اجازت عنایت فرمادی۔

۲- عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال : لا تلقوا الركبان ولا يبع بعضكم علی بعض ولا تناجشوا ولا يبع حاضر لباد ...[3]

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خریدنے کے لیے قافلہ والوں کو آگے جاکر نہ ملو۔ تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے۔ کھوٹ نہ کیا کرو۔ شہری دیہاتی کے لیے فروخت نہ کرے۔

۳- عن جابر رض قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : لا يبيع حاضر لباد دعوا الناس يرزق الله بعضهم من بعض[4]

ترجمہ : حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہری دیہاتی آدمی کیلئے نہ بیچے لوگوں کو چھوڑ دو اللہ کریم ان کے بعض کو بعض سے رزق دیتا ہے۔

۴- عن ابی هريرة رض قال نهی رسول الله صلی الله عليه وسلم عن بيع الحصاة

---

[1] معاومت: بیع معاومت کے معنی ہیں چند سالوں کے لیے بیع جب بائع اپنے باغ کا پھل پیشگی قیمت لے کر دو یا تین یا کم وبیش سالوں کے لیے فروخت کرے کیونکہ اس میں دھوکہ ہے اور یہ مجہول شئے کی بیع ہے کیونکہ کیا معلوم کسی سال پھل نہ آئے یا کم آئے

[2] عرایا: خشک کھجور کو درختوں پر تازہ کھجوروں کے بدلے اندازہ سے فروخت کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اجازت صرف مدینہ منورہ کے محتاج لوگوں کے لیے دی تھی۔

[3] متفق علیہ کتاب البیوع ...

وعن بیع الغرر [1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکری مار کر بیع کرنے اور دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا:

۵ ـ عن جابر رضؓ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھٰی عن الثنیا الاّ ان یعلم [2]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے استثناء کرنے سے منع کیا مگر یہ کہ اس کو معلوم کرایا جائے۔

۶ ـ عن بن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھٰی عن بیع الکالئ بالکالئ [3]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُدھار کی ادھار کے ساتھ بیع کرنے سے منع فرمایا:

۷ ـ عن حکیم بن حزام قال: نھانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابیع ما لیس عندی [4]

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چیز فروخت کرنے سے منع کر دیا جو میرے پاس نہیں۔

---

[1] حوالہ بالا

[2] ترمذی، ابوعیسیٰ: جامع، کتاب البیوع۔

[3] رواہ الدارقطنی بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب البیوع، باب المنہی عنہا من البیوع، حدیث نمبر ۲۷۔

[4] ترمذی۔ حوالہ مذکورہ۔

۸ - عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال نهٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع العریان [1]

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم رضی اللہ عنہ کے ذریعے اپنے دادا محترم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع عریان سے منع فرمایا:

یہ ان بے شمار احادیث میں سے صرف آٹھ نقل کی گئی ہیں جو بیع فاسد کی مختلف اقسام کے امتناع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔

ج - مشترک اشیاء کی بیع: - ایسی اشیاء کی بیع جنہیں اللہ نے انسانوں اور حیوانوں کی بنیادی ضروریات زندگی کی تکمیل و تسکین کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان مشترکہ اشیاء کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معجزانہ بلاغت کے انداز میں نہایت اختصار سے یوں بیان کیا ہے۔

الناس شرکاء فی الثلاث: الکلاء والماء والنار [2]

ترجمہ: تمام انسان تین اشیاء میں برابر کے شریک ہیں وہ ہیں۔ گھاس، پانی اور آگ۔

---

[1] ابوداؤد: السنن، کتاب البیوع:

[2] دیکھیے حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار ۴/۱۲۷ فقہاء کرام کی تشریحات کی رو سے پانی کا اطلاق تمام سمندروں، دریاؤں اور عام نہروں کے پانی پر ہوتا ہے۔ پانی کا لفظ پانی کے تالاب اور اس کے اندر کے دفینوں اور خزینوں کو بھی شامل ہے گھاس کا اطلاق ہر اس گھاس پر ہے جو خود رو ہو۔ بغیر محنت اور خرچ کے اگے خواہ مملوکہ زمین ہو یا غیر مملوکہ: آگ کا اطلاق تمام قسم کے ایندھن لکڑی ہو یا تیل و پتھر وغیرہ جن سے تاپنے، گرمی حاصل کرنے اور کھانے پکانے کا کام لیا جائے۔

کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان تین اشیاء میں سے کسی پر اپنی اجارہ داری قائم کرکے دوسروں کو اس کے استعمال سے روکے یا انہیں کسی کے ہاتھوں فروخت کرے۔

د۔ **ناپاک اور نجس اشیاء کی بیع :**۔ مثلاً سور کے بالوں کی بیع، اسی طرح انسان کے بالوں یا اس کے جسم کے کسی عضو کی بیع بوجہ تکریم و بزرگی فاسد ہے۔

مردار کی کھال بغیر دباغت کے بیچنا ناجائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لا تنتفعوا من المیتة باھاب [1]

ترجمہ: مردہ کے اھاب (بغیر دباغت کے کھال) کا نفع نہ اٹھاؤ۔

البتہ مردار کی ہڈیاں، سینگ اور مردہ بکریوں وغیرہ کی اون بیچنے میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ یہ سب پاک ہیں۔ یہی مسئلہ ہاتھیوں کے دانت اور ہڈیوں کا ہے۔

ر۔ **مروجہ اور معینہ اوزان اور پیمانوں کے سوا :**۔ کسی اور وزن یا پیمانے سے تول کی شرط لگانا خواہ وہ بائع کی طرف سے ہو یا مشتری کی طرف سے بیع کو فاسد کر دیتا ہے۔

س **۔ایک بیع کے اندر دوسری بیع :**۔ جب ایک بیع کے اندر دوسری بیع کی جائے یا بیع کے ساتھ کوئی اور شرط یا سودا مشروط کیا جائے تو بیع فاسد ہوگی مثلاً کوئی غنی کسی غریب کو اس شرط پر قرضہ دے کہ وہ (مقروض) اس (قرضخواہ) کو کچھ ہدیہ دے یا بیع اپنا مکان مشتری کو اس شرط پر فروخت کرے کہ وہ ابتداء میں ایک ماہ کے لیے بائع (پہلے مالک) کو کرایہ پر دے۔

---

[1] ترمذی: جامع، کتاب البیوع

ص ۔ مجہول مدت تک کی بیع :۔ ایسی بیع فاسد ہو گی جس کی مدت نا معلوم ہو کیونکہ نا معلوم مدت ادائیگی میں تاخیر اور نتیجۃً فریقین میں جھگڑا کا موجب بن سکتی ہے مثلاً بائع سے مشتری یہ وعدہ کرے کہ وہ قیمت موسم بہار میں ادا کرے گا۔ وغیرہ۔

بیع فاسد کے احکامات :۔ (۱) بیع فاسد کی صورت میں فریقین کو اسے فسخ کرنے کا اختیار ہو گا، اس میں خیار کی شرط بھی نہیں ہوتی۔

۲۔ اگر بیع فاسد میں بائع نے مبیع مشتری کے حوالے کر دیا یا کر دی اور اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو مشتری اس کا مالک بن جائے گا۔ اب بیع فسخ کرنے کی صورت میں اگر مبیع اس کے پاس ابھی باقی ہے تو وہ واپس کر دے ورنہ اس کی بازاری قیمت اس کے ذمہ واجب الادا ہو گی۔ یہ فقہاء احناف کی رائے ہے امام شافعیؒ کی رائے میں مشتری بیع کا مالک ہی نہیں بنے گا کیونکہ یہ بیع ہی فاسد تھی لہٰذا فاسد بیع کے ذریعے مشتری مالک نہیں بن سکتا۔ فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ بائع و مشتری میں بیع کی اہلیت موجود تھی اور محل بیع یعنی مبیع بھی موجود تھا اور دونوں نے ایجاب و قبول بھی کیا بس صرف اس میں ایک شرط فاسد آ گئی جس سے ملکیت ثابت ہونے میں کوئی حرج نہیں آتا[۱]

۳۔ اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد اسے آگے فروخت کر دیا تو یہ دوسری بیع نافذ ہو گئی کیونکہ مشتری اس کا مالک بن گیا اور اسے مبیع میں تصرف کا حق بھی حاصل ہو گیا۔ اس صورت میں بائع اوّل اپنی مبیع کا مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ

---

[۱] مرغینانی: الہدایہ، کتاب البیوع، فصل فی احکامہ (الاحکام بیع الفاسد)

بیع ثانی سے مشتری دوم کا حق ثابت ہو گیا اور اس کے حق کو ختم کرنا ناانصافی اور ظلم ہے[1]

۴۔ اگر مشتری نے بیع فاسد کے ذریعے کوئی زمین کا قطع خریدا اور اس پر مکان تعمیر کر دیا یا باغ لگا دیا تو اب بائع اس سے زمین کا مطالبہ نہیں کرے گا بلکہ صرف بازاری قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ مکان یا باغ کا اکھاڑنا قرین انصاف نہیں ہے[2]

...ترمذی جامع۔ کتاب البیوع

...حوالہ بالا

باب ۵

تجارت کے پسندیدہ طریقے

اسلام کا قانون تجارت جہاں ان تمام طریقوں کو ناجائز قرار دیتا ہے جو اس بابرکت کاروبار کو استحصالی حربہ بنا دیتے ہیں، یہ عادلانہ قانون تجارتی عمل کو ذریعہ تعاون باہمی اور رفاہیت عامہ بنانے کے لیے چند طرقِ تجارت بھی تجویز کرتا ہے۔ ان طریقوں میں سے مندرجہ ذیل نہایت اہم اور قابل توجہ ہیں۔

۱۔ شراکت

۲۔ مضاربت

۱۔ **شراکت**: تجارتی کاروبار کا قدیم ترین تعاونی طریقہ شرعیت ہے۔ شراکتی تجارت میں دو یا دو سے زائد کاروباری اشخاص مل کر سرمایہ فراہم کرتے ہیں اور مل کر کاروبار کرتے ہیں اور ممکنہ نفع ونقصان میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ تجارت قبل از اسلام متمدن عربوں میں رواج پذیر تھا۔ اسلام نے اس کے فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے پسندیدہ طریقہ تجارت قرار دیا ہے۔ صاحب ہدایہؒ [۱] لکھتے ہیں۔

---

[۱] مرغینانیؒ: الہدایہ: ج ۲، کتاب الشرکۃ

ترجمہ: شراکتی کاروبار اسلام میں جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو لوگوں میں شراکت کا طریقہ (تجارت) جاری تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس پر برقرار رکھا۔

یہ طریقہ تجارت اپنی برکات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لے کر آج تک لوگوں میں مقبول ہے [۱]

تمام فقہاء اسلام ایسی شرکت کو جائز سمجھتے ہیں جس کے شرکاء میں سے ہر ایک شریک دوسرے شریک ہی کی طرح اس قسم کا مال یعنی درہم و دینار کاروبار (تجارت) میں لگا دیتا ہے اور انہیں اس طرح خلط ملط کر دیتا ہے کہ وہ مل کر ایک ہی مال بن جاتے ہیں حتیٰ کہ ان میں تمیز نہیں رہتی کہ کس کا مال فروخت کیا اور کس کے مال سے سامانِ تجارت خرید اگیا۔ نفع و نقصان میں شرکاء اپنے حصہ سدی کے تناسب سے شریک ہوتے ہیں [۲]۔ بڑی مشترکہ سرمایہ کمپنیوں اور شراکتوں کو کامیاب بنانے کے لیے یہ طریقہ تجارت نہایت مفید ہے۔

شرائط شراکت:-

فقہاء نے شرکت کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا پورا ہونا لازمی قرار دیا ہے۔

۱۔ شرکاء یا شریکین میں ایجاب و قبول ہو۔

۲۔ معاہدہ شراکت رائج الوقت سکوں میں ہوگا، حتیٰ کہ اگر مالِ شراکت اشیاء یا اجناس کی شکل میں ہو تو کاروبار کے آغاز سے قبل اس کی قیمت کا تعین زر کی صورت میں کر لینا ضروری ہے۔ البتہ اگر شرکاء کسی مخصوص جنس یا شئے ہی کو سرمایہ قرار دے

---

[۱] ابن رشدؒ: بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد: ج ۲، کتاب الشرکۃ

[۲] مرغینانیؒ: الھدایہ، ج ۲: کتاب الشرکۃ

دیں تو پھر کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا[1]۔ امام کاسانیؒ نے سرمایہ کے سکہ یا زر کی شکل ہونے کی شرط کی وجہ یہ بتائی ہے کہ زر اور اشیاء اگر خلط ملط ہوں تو تقسیم منافع کے وقت تنازعہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر تمام سرمایہ زر کی شکل میں ہو تو جھگڑا کے امکانات نہیں ہوں گے[2]۔

۳۔ شرکاء کے تمام اموال اس طرح خلط ملط ہو جائیں کہ ان میں تمیز کرنا غیر ممکن ہو ہو جائے۔ یہ شرط امام شافعیؒ نے عائد کی ہے[3] غالباً اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شرکا کاروبار کرتے وقت تمام مال کو اپنا مال تصور کر کے نہایت احتیاط سے استعمال کریں اور کسی خاص سودا کو اپنے مال کا سودا سمجھ کر اس پر اپنا ہی حق نہ جتانا شروع کر دیں۔ دراصل امام شافعیؒ نے شرکت کے لیے مال کا ہونا اور زر کی شکل میں ہونا لازمی قرار دیا ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک سرمایہ کے بغیر بھی شرکت ممکن ہے مثلاً شرکت صنائع وغیرہ جیسا کہ ہم آئندہ ذکر کریں گے۔ شرکت کے معاہدہ کے لیے دستاویز لکھی جانا ضروری ہے۔ یہ امام سرخسیؒ کی رائے ہے وہ ارشاد فرماتے ہیں شرکت ایک ایسا معاہدہ ہے جو ایک مدت تک جاری رہتا ہے۔ لہٰذا اس کیلیے دستاویز کا لکھا جانا ضروری ہے تاکہ اگر کبھی جھگڑا ہو تو اس کا فیصلہ کیا جا سکے۔ قرآن مجید میں اللہ کریم کا ارشاد اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

---

[1] حوالہ بالا

[2] الکاسانیؒ: بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: قاہرہ ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء ج ۶، ص ۵۹

[3] ابن رشدؒ: حوالہ بالا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ [1]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مدت مقررہ تک قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

نیز دستاویز کا مقصد توثیق اور احتیاط ہے لہٰذا دستاویز لکھ لی جائے تاکہ ہر ایک حصہ دار لعن طعن سے بچا رہے۔ امام سرخسی نے دستاویز کے فارم کی عبارت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ ان الفاظ میں ہو۔

هٰذا ما اشترك عليه فلان و فلان۔

ترجمہ: (یہ وہ دستاویز ہے جس میں فلاں فلاں نے اشتراک کیا ہے۔

نیز اس دستاویز میں شرکاء کے نام، ان کے سرمایہ کی مقدار اور منافع کے حصص وغیرہ درج ہیں [2]

شرکت کی اقسام: فقہاء اسلام (اور بالخصوص فقہاء احناف) نے بلحاظ نوعیت اور سرمایہ شرکت کو چار قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ شرکت مفاوضہ

۲۔ شرکت عنان

۳۔ شرکت صنائع

۴۔ شرکت وجوہ

۱۔ **شرکت مفاوضہ:** شرکت مفاوضہ اس قسم کی شراکت کو کہتے ہیں جس میں تمام شرکاء سرمایہ، کاروباری ذمہ داریوں، قرض کی ادائیگی

---

[1] البقرة (۲) : ۲۸۲

[2] سرخسی: المبسوط، ج ۱۲، کتاب الشرکہ۔

تصرفات اور نفع ونقصان میں برابر ہوتے ہیں۔ دراصل عربی زبان میں مفاوضہ کے معنی ہی مساوات یا باہمی تفویض کے ہوتے ہیں [۱]
شرکت مفاوضہ کو عمل میں لانے کے لیے لفظ "مفاوضہ" کہنا لازمی ہوتا ہے کیونکہ عامۃ الناس اس کی شرائط سے آگاہ نہیں ہوتے [۲]

۲۔ **شرکت عنان :-** اگر شرکاء کاروبار سرمایہ یا حصہ منافع یا تصرفات میں برابر نہ ہوں تو ایسی شرکت کو شرکت عنان کہتے ہیں۔ اس شرکت میں ہر شریک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے مگر کفیل نہیں ہوتا [۳] یعنی ہر حصہ دار دوسرے کی جگہ یا دوسرے کے لیے کاروبار تجارت تو کرے گا مگر ہر شریک جو جو کاروباری تصرفات کرے گا (مثلاً قرض لینا یا دینا، سودا کرنا یا چکانا وغیرہ) اس کا وہ خود ہی ذمہ دار ہوگا [۴]

۳۔ **شرکت صنائع :** شرکت صنائع (کمپنی کے طرز پر) اس قسم کے کاروبار تجارت کو کہتے ہیں جس میں چند ہم پیشہ اپنے کاروبار کو شرکت کے ساتھ چلاتے ہیں اور اس کاروبار سے ممکنہ نفع ونقصان میں شریک ہوتے ہیں [۵]
شرکت صنائع کو "شرکت تقبل" بھی کہتے ہیں یعنی کام قبول کرنا مثلاً دو صناعوں یا دو درزیوں نے اس شرط پر باہم شرکت کی کہ وہ لوگوں کا کام قبول کریں گے اور اس

---

[۱] ہدایہ، ج ۲، کتاب الشرکۃ

[۲] حوالہ بالا

[۳] حوالہ بالا

[۴] سرخسی: حوالہ بالا

[۵] حوالہ بالا

سے جو آمدنی ہوگی وہ دونوں میں مشترک ہوگی [۱]

اس قسم کی شرکت میں شرکاء کے نفع کا برابر ہونا درست ہے مگر ضروری نہیں ہے۔

اس شرکت کا دوسرا نام شرکت الابدان بھی ہے۔

۴۔ شرکت الوجوہ:۔ شرکت الوجوہ اس شرکت کا نام ہے جس میں بغیر سرمایہ کے چند باعتبار تاجر صرف اپنی ذاتی وجاہت (ساکھ) وامانت کے سرمایہ سے خرید و فروخت کریں اور نفع و نقصان میں شریک ہوں اس کا نام شرکت وجوہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ لوگوں سے ادھار مال وہی خرید سکتا ہے جسے اللہ کریم نے اعتبار اور ساکھ کے سرمایہ سے نواز رکھا ہو۔ مشہور ماہرین جدید معاشیات نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے مثلاً پروفیسر تاسیگ (Taussig) لکھتے ہیں۔

"موجودہ زمانے میں قرضہ اور اعتبار کا انحصار زیادہ تر قرض لینے والوں کی شخصیت اور کاروبار کی شہرت اور نیک نامی پر مبنی ہوتا ہے [۲]

اس شرکت کو شرکت الضمان اور شرکت المفالیس بھی کہتے ہیں۔ اس قسم تجارت میں ہر شریک کا نفع میں حصہ مساوی ہوتا ہے اور اس میں کمی بیشی جائز نہیں [۳]

۲۔ مضاربت

تجارت کو وسیلہ تعاون اقتصادی اور امداد باہمی بنانے کا بہترین ذریعہ مضاربت ہے۔ مضاربت ضرب سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے زمین پر پاؤں مارنا، چلنا، پھرنا

---

[۱] ہدایہ: ج ۲: کتاب الشرکۃ

[۲] پروفیسر ڈاکٹر تاسیگ: پرنسپلز آف اکنامکس، ج ۲، باب ۶

[۳] مغنی، ج ۵، کتاب الشرکۃ

وغیرھا، چونکہ اس طرح کے ذریعے تجارت کرنے والا زمین میں چل پھر کر کاروبار کرتا ہے اور نفع کماتا ہے، جسے مضارب کہا جاتا ہے، اور اس طریقہ تجارت کو مضاربت کہتے ہیں۔
مضاربت کو فقہاء احناف مضاربت کہتے ہیں اور بہت سے باقی ائمہ قراض کہتے ہیں۔

مضاربت ایسے تجارتی کاروبار کا نام ہے جس میں ایک جانب اصل راس المال یا سرمایہ ہوتا ہے اور دوسری جانب صرف محنت ہوتی ہے اور منافع ہوتی ہے میں سرمایہ دار (رب المال) اور مضارب (کاروبار کرنے والا) دونوں متفقہ نسبت (½، ⅓، ¼، ⅔ وغیرھا) سے شریک ہوتے ہیں۔ اور اگر اللہ کریم نہ کرے نقصان ہو تو صرف اصل دار (صاحب سرمایہ) برداشت کرے گا۔

شاہ ولی اللہ نے مضاربت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"معاونت باہمی کی چند قسمیں ہیں ان میں سے ایک مضاربت ہے وہ یہ کہ مال ایک شخص کا اور محنت دوسرے شخص کی ہو اور رضامندی طرفین کی تصریح کے ساتھ نفع دونوں کے درمیان ہو[۱]"

فقہاء اسلام نے مضاربت کا جواز قرآن مجید کی اس آیت سے کیا ہے۔

وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ[۲]

ترجمہ: اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زمین میں چل پھر کر اللہ کریم کا رزق تلاش کرتے ہیں۔

یعنی صاحب مال تو مال لگاتے ہیں اور محنت والے اس کے ذریعے ملکوں اور شہروں میں چل پھر کر تجارت کرتے ہیں صاحب ہدایہ نے مضاربت کے جواز پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

---

[۱] شاہ ولی اللہؒ: حجۃ اللہ البالغۃ: مصر، ج ۲، ص ۱۱۶

[۲] سورۃ المزمل (۷۳): ۲۰

"مضاربت لوگوں کی ضروریات کے لیے جائز رکھی گئی ہے کیونکہ بعض لوگ مالدار ہوتے ہیں مگر کاروبار تجارت سے بالکل نابلد ہوتے ہیں جب کہ بعض لوگ کاروبار کے ماہر ہوتے ہیں مالی طور پر تہی دست ۔ اسلام نے امیر اور غریب دونوں کے مصالح کے پیش نظر اس طریقہ تجارت کو جائز قرار دیا ہے ۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہتر خیال فرمایا اور اسے جاری رکھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس پر عمل کیا ۱ؕ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل بصری (شام) کی منڈی میں مضاربت ہی کے طریقہ پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے تجارت کی تھی ۔ غیور اور دیانت دار غریب جو تجارتی رموز سے آگاہ ہے، اور مالدار جس کا مومنانہ دل غریبوں کی الفت میں دھڑکتا ہے وہ دونوں اس طریقہ تجارت کے ذریعے سرمایہ اور محنت کے تعاون کا اعلیٰ نمونہ پیش کر سکتے ہیں ۔ طریقہ مضاربت سے سرمایہ دار کا سرمایہ زحمت کی بجائے رحمت بن جائے گا، اور نادار کی محنت، کاروباری ہوشمندی اور استعداد ضائع اور رائیگاں ہونے کی بجائے رحمت اور نفع بخش ثابت ہوگی ۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ سرمایہ دار کا سرمایہ "کنز" بن کر احتکار و اکتناز کا باعث بنے گا نہ اصحاب ضرورت کی تکمیل ۔ ضرورت پر تالے پڑیں گے ۔ اور اجتماعی زندگی میں نہ فاقہ کش غریب نظر آئیں گے اور نہ قابل نفرت سرمایہ دار ۔

مضاربت کا دوسرا نام قراض بھی ہے ۔

مضاربت کی شرائط اصل دار اپنے سرمایہ کی مالیت اور مقدار زر کی صورت میں متعین کر دے کیونکہ اس پر تمام فقہا اسلام کا اتفاق ہے کہ مضاربت کا کاروبار صرف درہم اور دینار (نقد) ہی میں درست ہو سکتا ہے ۲ؕ

۱ؕ مرغینانی ؒ: حوالہ بالا

۲ؕ ابن رشد ؒ: بدایۃ المجتہد ج ۲: کتاب القراض

۲ - سامان (عروض - Goods) سے مضاربت کا کاروبار درست نہیں - فقہاء اسلام میں سے صرف ابن ابی لیلیٰؒ سامان کے ساتھ بھی مضاربت کے قائل ہیں۔ جمہور فقہاء کرام کے نزدیک سامان میں مضاربت کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح دھوکہ دہی کا امکان باقی رہے گا۔ علاوہ اصل کے زر کی صورت میں اصل اور نفع بھی نامعلوم نہیں رہیں گے ۔[۱]

مضارب کے اختیارات اور ذمہ داریاں

۱ - مضارب کے پاس سرمایہ امانت کے مماثل ہے لہٰذا اگر سرمایہ ضائع ہوجائے تو مضارب سے اصل دار تاوان کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

۲ - مضارب کی حیثیت وکیل کی ہوتی ہے لہٰذا وہ اپنے تمام تصرفات میں اصل دار کی اجازت اور مشورہ کا محتاج ہوتا ہے۔ اصل دار کی اجازت سے اسے خرید و فروخت کرنے، کسی کو وکیل بنانے اور سامان کسی کے پاس ودیعت رکھنے کا اختیار ہوتا ہے [۲]

۳ - اپنے شہر ہی میں کاروبار مضاربت کرنے کی صورت میں مضارب کو صرف نفع ہی میں سے حصہ لینے کا حق ہوگا البتہ اگر اسے دور جانا پڑے یا سفر کرنا پڑے اور کہیں باہر قیام کرنا پڑے تو اس صورت میں سفر خرچ اور دیگر اخراجات تاجروں کے رواج کے مطابق لینے کی اجازت ہوگی [۳] امام ابو حنیفہؒ کی رائے میں اسے بیماری کی صورت میں علاج کے اخراجات لینے کی بھی اجازت ہوگی کیونکہ صحت کے

---

[۱] بحوالہ بالا

[۲] ہدایہ، ج ۲، کتاب المضاربۃ

[۳] حوالہ بالا

بغیر تو کوئی کاروبار تجارت نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ مضارب نفع کی صورت میں نفع میں حصہ پائے گا۔ معاہدہ مضاربت فاسد ہونے کی صورت میں وہ اجرت پانے کا مستحق ہوگا۔ اگر وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا تو غاصب شمار ہوگا کیونکہ اس نے دوسرے کے مال پر زیادتی کی ہوگی[1]

۵۔ مضارب نفع کی تقسیم بہر صورت اصل دار کی موجودگی میں کرے گا، اس پر سب فقہاء کرام کا اتفاق ہے[2]

معاہدہ مضاربت توڑنے کی صورتیں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ مضاربت کو فریقین (اصل اور مضارب) سے جو کوئی جس وقت چاہے فسخ کر سکتا ہے، البتہ اس کی خبر فریق ثانی کو ضرور کرے[3]

فریقین میں سے کسی کے فوت ہو جانے کی صورت اصل معاہدہ مضاربت فسخ ہو جائے گا، البتہ اس کے ورثاء چاہیں تو تجدید معاہدہ کر سکتے ہیں[4]

---

[1] ابن رشد: حوالہ مذکورہ۔ ہدایہ کتاب المضاربت

[2] امام مالکؒ: مؤطا، کتاب القراض

[3] ہدایہ، کتاب المضاربت ابن رشد، حوالہ بالا، کتاب القراض

[4] سرخسیؒ: المبسوط، ج ۲۲، کتاب القراض

باب ۶

تجارت کے متفرق مسائل

اس باب میں چند ایسے اہم تجارتی مسائل زیر بحث لائے جا رہے ہیں جو کسی ایک موضوع کی بجائے مختلف موضوعات سے متعلق ہیں مثلاً۔

۱۔ قرض یا اُدھار
۲۔ رہن۔
۳۔ دیوالیہ اور قرقی۔
۴۔ قیمتوں پر کنٹرول۔
۵۔ نظام حسبہ
۶۔ تجارتی سود۔

۱۔ قرض یا اُدھار

قرض یا اُدھار اور تجارتی کاروبار کا چولی دامن کا ساتھ ہے، گویا کہ یہ دونوں جڑواں بھائی ہیں جنہوں نے ایک ہی دن جنم لیا تھا۔ تجارتی کاروبار کی تاریخ بتاتی ہے کہ جہاں تجارت اور لین دین کا ذکر ہوگا وہاں اُدھار اور قرض کا تصور بھی موجود ہوگا۔ تجارت کے روز اول سے لے کر آج تک اُدھار لین دین کا وجود باقی ہے اور موجودہ معاشی ترقی اور سائنس کا

مشینی دور جس نے انسان کو مشین کا بے حس پرزہ بنانے اور ان پاکیزہ جذبات کو کچلنے کی پوری کوشش کی ہے جن پر باہمی ہمدردی، غریبوں کی مدد کرنا اور محبت و موانست کی بنیاد رکھی جاتی تھی۔ مگر یہ دونوں انسانوں کے باہمی تعلق کے اس باب کو بند نہیں کر سکتے جس کے ذریعے ایک دردمند تاجر اپنے غریب بھائی کو چند دنوں، ہفتوں مہینوں کے لیے کوئی شے یا سودا یا نقدی اُدھار دے کر اس کی معاشی کفالت کا ذریعہ بنتا ہے اور اس کے معاشی دکھ کا وقتی مداوا کر دیتا ہے۔

اگر اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کی حرمت سود سے متعلق خیر خواہانہ تعلیمات کو عملی طور پر تسلیم کر لیا ہوتا تو آج کے کاروبار تجارت کو استحصالی حربہ بننے کی مہلت نہ ملتی آج بڑے بڑے کارخانہ داران اور تاجران دوکان داروں کو اُدھار مال سود کے لالچ میں دیتے ہیں اور دوکاندار اس سود کی رقم کو اپنی لاگت اور اخراجات میں شامل کر کے غریب اور محتاج صارفین سے کل ملا کر وصول کر لیتے ہیں اور یوں ان کا استحصال کرتے ہیں۔ مگر اس ظلم کے باوجود بھی بازار کے اکثر متوسط درجہ کے دوکاندار اور دیہاتوں کے دوکاندار بغیر سود کے ہی قرض اور اُدھار دیتے ہیں۔ یہ اسلام کے رحیمانہ قانون تجارت ہی کی کرشمہ سازی ہے۔

اُدھار لین دین یا قرض کے بارے میں اسلام نے جو عادلانہ تعلیمات دی ہیں ان کا مختصر ذکر یہاں کیا جاتا ہے ان تعلیمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے

ا ۔ قرض خواہ یا اُدھار دہندہ کے لیے تعلیمات۔

ب ۔ مقروض یا اُدھار لینے والے کے لیے تعلیمات۔

ا ۔ قرضخواہ یا اُدھار دہندہ کے لیے تعلیمات: اسلام کے قانون تجارت نے قرضخواہ کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ اپنے حاجت مند بھائی کو جب قرض حسنہ یا سودا اُدھار پر دے تو اگر وہ تنگ دست ہے تو اُسے مہلت دے اور اگر وہ اس قدر مفلس ہے ادائیگی کی قدرت ہی نہیں رکھتا تو اُسے معاف کر کے اپنے رب کریم کے خزانہ میں جمع کرا دے۔ قرآن حکیم

آیا ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ [1]

ترجمہ: اور اگر مقروض تنگدست ہے تو اُسے فراخی تک مہلت دو اور اگر (بعض حالات میں) معاف ہی کر دو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہلت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

من كان له على رجل حق فمن اخره كان له بكل يوم صدقة [2]

ترجمہ: جس شخص کا کسی دوسرے شخص پر حق (قرض) ہو اور وہ اُسے مہلت دے تو اس (قرضخواہ) کے لیے ہر دن کے عوض صدقہ (کا ثواب) ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے مقام پر تنگ دست کو مہلت دینے کا بدلہ قیامت کے دن کی تنگی کو دور کرنے سے تعبیر کیا ہے، ارشاد فرمایا:

من سرّه ان ينجيه الله من كرب يوم القيامة فلينفس عن معسر او يضع عنه [3]

ترجمہ: جس کسی کو یہ بات بھلی لگتی ہے کہ اللہ کریم اُسے قیامت کے دن کی سختیوں سے بچائے اُسے چاہیئے کہ تنگدست (مقروض) کو مہلت دے یا اُسے معاف ہی کر دے،

اس مضمون کو ایک دوسرے پیرائے میں یوں بیان فرمایا:

عن ابي اليسير رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من انظر معسرا او وضع عنه اظله الله في ظله [4]

---

[1] سورۃ البقرۃ (۲)، ۲۸۰۔

[2] احمد، مسند: عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

[3] مسلم، صحیح، کتاب البیوع، مشکوٰۃ، کتاب البیوع، باب الافلاس والانظار، حدیث نمبر ۴

[4] حوالہ بالا حدیث نمبر ۔

ترجمہ: حضرت ابی یسیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس کسی نے تنگدست کو ڈھیل دی یا اُسے (قرضہ) معاف ہی کر دیا اللہ کریم قیامت کے دن اُسے اپنے سایہ میں جگہ عنایت فرمائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد احادیث میں قرضخواہ کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اس کے معاشی حالات کسی مفلوک الحال مقروض کو معاف کرنے کی اجازت نہ بھی دیں پھر بھی اس سے تقاضہ نرمی سے کرے اور دلخراش باتیں کرکے اس کی غربت اور مجبوری کا احساس زیادہ نہ بڑھائے۔

رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع واذا اشترى واذا اقتضى [1]

ترجمہ: اللہ کریم رحم کرے اس کریم النفس شخص پر جو جب بیچے، خریدے اور اُدھار کا تقاضہ کرے تو نرمی اور درگذر سے کام لے۔

ب۔ **مقروض یا اُدھار لینے والے کیلیے ہدایات:** اسلام کے قانونِ تجارت نے مقروض کو بھی تلقین کی ہے کہ وہ اپنے قرض خواہ کا قرض وقت موعود پر ادا کرے خواہ مخواہ تاخیری حربے استعمال کرکے اپنے قرض خواہ کو مجبور نہ کرے کہ وہ اس سے لڑکر اپنا قرض دینے کا احسان ضائع کرے۔ قرض دراصل قرض خواہ اور مقروض کے درمیان ایک معاہدہ اور عہد ہوتا ہے جسے پورا کرنا فریقین کی قانونی اور اخلاقی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر قرض خواہ مقررہ میعاد ادائیگی سے پہلے مطالبہ کرے یا مقروض ادا نہ کرے تو دونوں عہد توڑنے والے ہیں اور قرآن مجید کے اس حکم کے توڑنے والے ہیں۔

إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا [2]

---

[1] بخاری: صحیح، کتاب البیوع، مشکوٰۃ، کتاب البیوع، باب المساہلۃ فی المعاملۃ، حدیث نمبر ا

[2] سورۃ الاسراء آیت نمبر ۱۱

ترجمہ: عہد کی یقیناً باز پرس ہوگی۔

جو مقروض استطاعت کے باوجود قرض نہ ادا کرے۔ اس کی اس مجرمانہ غفلت کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے مطل الغنی ظلم [1]

قرض خواہ ایسے مقروض کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کر کے اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔ قرض نہ ادا کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھایا کرتے تھے جو قرضہ ادا کیے بغیر مر جاتا تھا۔

عن سلمة ابن اكوع قال كنا جلوسا عند النبي صلى الله عليه وسلم اذ اتى بجنازة فقالوا صل عليها فقال: هل عليه دين؟ قيل لا، فصل عليها. ثم اتى بجنازة اخرى فقال: هل عليه دين؟ قيل: نعم. قال: هل ترك شيئا؟ قالوا ثلاثة دنانير ثم اتى بثالثة فقال: فقال هل عليه دين؟ فقالوا: ثلاثة دينار. قال هل ترك شيئا. قالوا: لا. قال: صلوا على صاحبكم. قال ابو قتادة صل عليه يا رسول. وعلى دينار، فصلى عليه [2]

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے جب ایک جنازہ لایا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس کی نماز جنازہ پڑھ دیجئے۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا اس پر کوئی قرض ہے؟ کہا گیا "نہیں" تو آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھ دی۔ پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا اس کے ذمہ قرض ہے؟ "جواب دیا گیا کہ ہے آپ نے دریافت کیا کیا اس نے کوئی چیز چھوڑی ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "تین دینار" (اور یوں قرض ادا ہو گیا اور آپ نے نماز جنازہ پڑھ دی)۔ پھر ایک تیسرا

---

[1] متفق علیہ: مشکوٰۃ، حوالہ بالا: باب الافلاس والانتظار حدیث نمبر ۹

[2] رواہ البخاری، مشکوٰۃ: حوالہ بالا: حدیث نمبر ۱۱

جنازہ لایا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا: کیا اس پر قرضہ ہے؟ "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا" ہاں ہے" آپ نے دریافت کیا۔ کیا اس نے ادائیگی کے لیے کوئی چیز چھوڑی ہے؟ "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا" نہیں"۔ آپ نے فرمایا: اپنے ساتھی کی نماز جنازہ ادا کرلو" حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا" یارسول اللہ! اس کی نماز جنازہ پڑھ دیجیئے اس کا قرض میرے ذمہ ہے۔

البتہ جب اللہ کریم نے مکہ فتح کر دیا اور اُمت مسلمہ پر اللہ کریم نے اپنی دنیوی رحمتوں کے دروازے بھی کھول دیئے تو بحیثیت رئیس مملکت اسلامی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے غریب اُمتیوں کے قرض چکا کر ان کی نماز جنازہ پڑھ لیتے۔ اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا۔

فلما فتح الله عليه الفتوح قام فقال: انا اولى بالمؤمنين من انفسهم فمن توفى من المؤمنين فترك دينا فعلى قضاءه ومن ترك مالا فلورثته[1]

ترجمہ: جب اللہ کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا: میں مسلمانوں کو ان کی جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں ان مومنین میں سے جو کوئی مر جائے اور قرضہ چھوڑ جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو کوئی مال چھوڑ کر مرے، وہ مال اس کے وارثوں کو ملے گا۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

من مات وعليه دين ولم يترك وفا فعلى قضائه[2]

ترجمہ: جو مر جائے اور اس پر قرض ہو مگر وہ اس کی ادائیگی کا سامان نہ چھوڑ جائے تو اس قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہوگی۔

ان دونوں ارشادات سے یہ فقہی مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اگر مقروض قرضہ ادا کیے بغیر

---

[1] بخاری: صحیح، ج ۳، ص ۹۹۹۔ ابو عبید قاسم بن سلام: کتاب الاموال، قاہرہ، ۱۳۵۳ھ، ص ۲۰۲۔

[2] ابو عبید: حوالہ بالا، ص ۲۰۳

مر جائے اور کوئی ایسی جائیداد یا اسباب بھی نہ چھوڑ جائے جس سے قرض کی ادائیگی کا بندوبست کیا جا سکے تو پھر اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ایسے مر جانے والے مقروضوں کے قرضہ کی ادائیگی کرے۔ اس سے اُس غریب مردہ کی روح کو بھی تسکین ہو گی کیونکہ بغیر قرضہ ادا کیے مر جانے والا کی قیامت کو باز پرس ہو گی۔ اور قرضخواہ کو بھی اس کا حق مل جائے گا۔ گویا کہ خوشحال لوگوں کے قرضوں کی تامین (Insurance) ہو گی۔ اگر موجودہ مسلمان ممالک کی حکومتیں مخیر مالداروں کو ان کے قرضوں کی واپسی کا قانونی تحفظ فراہم کر دیں تو غریبوں محتاجوں کو قرض حسنہ بآسانی ملتا رہے = آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کئی احادیث میں قرض کو ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے حتیٰ کہ شہید سے بھی قرض کا مطالبہ ہو گا۔ مثلاً۔

یغفر الشهید کل ذنب الا الدین [1]

ترجمہ: شہید کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے مگر قرض نہیں۔

اگر مقروض استطاعت کے باوجود بھی قرض ادا نہ کرے تو اس کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کی جائے گی اور اسے عدالت سے سزا دلوائی جا سکتی ہے۔

عن الشرید قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیّ الواجد یحلّ عرضه وعقوبته قال ابن المبارك یحلّ عرضه یغلظ له وعقوبته ان یحبس [2]

ترجمہ: حضرت شرید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دینے کی قدرت رکھنے والے کی ٹال مٹول (اور نا دہندگی) اس کی عزت (بے عزتی) اور اس کو سزا دینے کو جائز کر دیتی ہے ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی

---

[1] مسلم: صحیح، کتاب البیوع، مشکوٰۃ، کتاب البیوع، باب الافلاس والانظار، حدیث نمبر ۱۴

[2] ابوداؤد والنسائی: کتاب البیوع، مشکوٰۃ، حوالہ بالا، حدیث نمبر ۱۹

عزت کا حلال ہونا یہ ہے کہ اُسے سخت سست کہا جائے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اُسے قید کر دیا جائے۔

مسلمان جج کو اجازت ہے کہ وہ قرض خواہ کی خاطر (صاحب استطاعت) مقروض پر اس کی جائیداد فروخت کرانے کا جبر کر سکتا ہے [۱]

اسلام نے مقروض کو یہاں تک تاکید کی ہے کہ وہ نہ صرف بر وقت ادا کرے بلکہ بطریق احسن ادا کرے جسنِ ادائیگی میں یہاں تک گنجائش ہے کہ مقروض قرض خواہ کو مقدار سے زیادہ بھی دے سکتا ہے مگر ایسا دینا نہ مشروط ہو نہ اس کا رواج ہو اور نہ ہی قرض خواہ کی تمنا ہو کہ اُسے ملے ورنہ سود بن جائے گا۔ اس سلسلہ میں یہ احادیث قابل توجہ ہیں

عن ابی هریرة قال تقاضیٰ رجل رسول الله صلی الله علیه وسلم فاغلظ لهٗ: فهمّ اصحابه فقال دعوه، فان لصاحب الحق مقالا فاشتروا له بعيرا فاعطوه اياه قالوا لا تجدا لا افضل من سنه قال: اشتروه فاعطوه فان خيركم احسنكم قضاء [۲]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (قرض کا) تقاضہ کیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درشت گوئی سے کلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس شخص کو ادب سکھانا چاہا۔ آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو۔ حقدار کو بات کہنے کی اجازت ہے اس کے لیے ایک اونٹ خرید دو اور اسے دے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم اس سے عمر میں زیادہ اچھا ہی پاتے ہیں (اس جیسا نہیں پاتے)۔ آپ نے فرمایا: وہی خرید کر

---

[۱] شاطبی، ابو اسحاق: الموافقات فی الشریعۃ الاسلامیہ، قاہرہ، ج ۲، ص ۲۴۱

اسے دے دو، تم میں سے اچھا وہی ہے جو ادائیگی اچھی کرے۔

عن ابی رافع قال استسلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکرا فجاءته ابل من الصدقة۔ قال ابو رافع فامرنی ان اقضی الرجل بکره فقلت: لا اجد الا جملا خیارا رباعیا۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطه ایاه۔ فان خیر الناس احسنهم قضاء [1]

ترجمہ: حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص سے ایک نوجوان اونٹ قرض لیا۔ پھر آپ کے پاس صدقہ کے اونٹ آئے ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے آپ نے حکم دیا کہ میں اس شخص کو نوجوان اونٹ دوں۔ میں نے عرض کیا: مجھے تو ان اونٹوں میں چار دانتوں والے اس سے اچھے اونٹ ہی نظر آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے یہی دے دو۔ انسانوں میں سے اچھے وہی ہیں جو (قرض کی) ادائیگی زیادہ اچھے طریقہ پر کرتے ہیں۔

عن جابر قال: کان لی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دین فقضانی و زادنی [2]

ترجمہ: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: میرا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرض تھا آپ نے وہ مجھے پورا پورا ادا کر دیا بلکہ کچھ زیادہ بھی دیا۔

عن عبد اللہ بن ابی ربیعہ قال: استقرض منی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین الفا۔ فجاء مال فدفعه الی فقال: بارک اللہ فی اهلک ومالک، انما جزاء السلف الحمد والاداء [3]

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، حوالہ بالا حدیث نمبر۔

[2] حوالہ مذکورہ، حدیث نمبر ۲۵

[3] حوالہ مذکورہ، حدیث نمبر ۲۶

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چالیس ہزار قرض لیے جب (صدقہ یا غنیمت کا) مال آیا تو آپ نے میرا قرض واپس کر دیا اور ساتھ ہی فرمایا: اللہ کریم تیرے اہل اور تیرے مال میں برکت دے، بلاشبہ قرض کا بدلہ تو شکریہ اور ادائیگی ہی ہے

اس ارشاد گرامی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرض کی حسن ادائیگی کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ ادائیگی کے ساتھ شکریہ بھی ادا کیا جائے ادھار کی صورت میں مدت ادائیگی کا تعین ضروری ہے کیونکہ جہالت مدت ادائیگی میں روکاوٹ کا ذریعہ بن سکتی ہے، حالانکہ معاہدہ بیع کی رو سے ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ مدت جہالت کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بائع (یا ادھار دینے والا) تھوڑی ہی مدت کے بعد ادائیگی کا مطالبہ کرنا شروع کر سکتا ہے اور مشتری یا مقروض مدت ادائیگی کے متعین نہ ہونے کی وجہ سے ادائیگی مؤخر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کش مکش کا نتیجہ تنازعہ کی صورت میں نکلتا ہے جو کہ اسلام کے قانون تجارت میں نہایت مکروہ ہے۔

۲۔ رہن

قرض اور ادھار کا لین دین ضروری نہیں کہ واقف حال یا دوستوں ہی سے کیا جائے۔ اسلام کے قانون تجارت میں خیر اور تعاون کا یہ دروازہ اجنبیوں اور پرایوں کے لیے کھلا ہے۔ البتہ قرض خواہ اپنے قرض کا تحفظ چاہتا ہے جس کا حل اسلام کے حکیمانہ نظام نے "رہن" کے جواز سے کر دیا ہے یعنی اگر قرض لینے والا کسی قدر ناقابل اعتبار ہے یا اجنبی ہے مگر وہ حاجت مند ہے تو اسلام کے قانون تجارت نے اجازت دی ہے کہ اُس کی کوئی قیمتی چیز مثلاً زیور، زمین، مویشی وغیرہ رہن رکھ کر اُسے قرضہ دیا جائے۔ آج کل کے ترقی یافتہ معاشی دور میں بیمہ کمپنی کے ذریعے یہی کام ہوتا ہے مگر اسلام کے قانون رہن اور سرمایہ دارانہ نظام بیمہ میں فرق حلال اور حرام کا ہے جبکہ سود اور جوا کے ناپاک عناصر نے سرمایہ دارانہ بیمہ کو حرام کر دیا ہے

رہن کے قواعد وضوابط

اسلام کے قانونِ تجارت نے رہن کے چند بنیادی قواعد وضوابط مقرر کر دیئے ہیں جن کی موجودگی میں رہن کا جواز ہے۔

۱۔ مرہونہ (Pledged) شئے کے نفع ونقصان کا ذمہ دار راہن (اصل مالک) ہے اور اس سے حاصل ہونے والے وقتی فوائد یا معمولی منافع مرتہن (رہن رکھنے والا) کے حقِ خدمت اور حقِ حفاظتِ مرہونہ یا اس کی دیکھ بھال پر کیے گئے اخراجات کا بدلہ ہوں گے۔ البتہ اس کے دیرپا ثمرات اصل مالک کے ہوں گے مثلاً محمود نے ذوالفقار کے پاس قرض کی ضمانت کے طور پر اپنی گائے رہن رکھی۔ اب گائے مر جائے یا چوری ہو جائے تو محمود کی، گائے نے نر یا مادہ بچہ جنا تو بھی محمود کا لیکن گائے کا دودھ ذوالفقار کے لیے حلال ہوگا کیونکہ یہ حقِ خدمت اور اس کی پرورش کے اخراجات کا معاوضہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ارشادات اس قانون کی تائید میں ہیں مثلاً

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظھر یرکب بنفقتہ اذا کان مرھونا ولبن الدر یشرب بنفقتہ اذا کان مرھونا وعلی الذی یرکب ویشرب النفقۃ [۱]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سواری کے جانور پر اس پر خرچ کرنے کے بدلے سواری کی جاسکتی ہے جبکہ اُسے گروی رکھا جائے اسی طرح دودھیلے جانور کا دودھ اس پر خرچ کرنے کے بدلے پیا جاسکتا ہے جب وہ گروی رکھا جائے۔ جو سوار ہوتا ہے اور دودھ پیتا ہے اس کے ذمہ اس کا خرچ ہے

وعن سعید بن المسیبؒ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا یغلق

---

[۱] رواہ البخاری بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب السلم والرہن، حدیث نمبر ۴ ۔

الرهن من صاحبه الذی رهنه له غنمه وعلیه غرمه [1]

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رہن اپنے اس مالک کو جس نے رہن رکھا روک نہیں سکتا اس کے لیے اس کے منافع بھی ہیں اور اس پر اس کا تاوان بھی ہے۔

۲- مذکورہ حدیث نمبر ۲ سے یہ قانون بھی بنتا ہے کہ مرہونہ مال پر اگر سرکاری ٹیکس یا کسی دوسرے شخص کا حق بنتا ہے تو وہ مالک (الراہن) ہی ادا کرے گا۔

۳- جانور (سواری کا ہو یا دودھیال) کے علاوہ کسی دوسری مرہون مثلاً مکان، دوکان، زیور وغیرہ سے استفادہ کرنے کی اجازت نہیں اور اگر مرتہن (رہن رکھنے والا) انہیں کرایہ یا اجرت پر باجازت راہن دے تو کرایا اور اجرت اصل مالک (راہن) ہی کو ملیں گے۔

۴- یہی قانون زمین کے لیے ہے اگر مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا جائے) زمین خود کاشت کرے تو بحیثیت کاشتکار وہ صرف اپنے حصہ پیداوار کا حقدار ہوگا اور اگر کسی دوسرے شخص کو بٹائی پر دے تو بٹائی اصل مالک کو ملے گی

۳- دیوالیہ اور قرقی

معاشی مجبوریاں بھی اپنا عجیب رنگ لاتی ہیں کئی بار مفلس مقروض جب اپنا قرض کبھی بھی ادا کرنے کے قابل نہیں رہتا تو فقہا اس مقروض کو مفلس (جس کا اردو ترجمہ دیوالیہ کیا جاتا ہے) کہتے ہیں۔ دیوالیہ یا مفلس کے فقہاء نے قوانین بیان کیے ہیں۔ جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱- مفلس آدمی دیوالیہ ہونے کے باوجود قرض کی ذمہ داری سے بری نہیں ہوتا۔ عدالت اس سے قرض خواہ کو قرض واپس دلوانے کی مجاز ہوگی، خواہ اس کا اثاثہ ہی فروخت کرنا پڑے۔ اس سلسلہ میں یہ نظیر ملاحظہ کریں۔

عن عبد الرحمٰن بن کعب بن مالك قال كان معاذ شابا سخيا وكان لا يمسك

---

[1] رواہ الشافعی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح

شیئا فلم یزل یدان حتی اغرق ماله کله فی الدین فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکلمہ لیکلم غرماءہ۔ فلو ترکوا لاحد لترکوا لمعاذ لاجل رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ فباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لھم مالہ حتی قام معاذ بغیر شیء [1]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سخی نوجوان تھے۔ اپنے پاس کچھ بچا کر نہیں رکھا کرتے تھے۔ وہ (سخاوت کیلئے) لوگوں سے قرض لیتے رہے حتی کہ ان کا سارا مال قرضہ میں دھر لیا گیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کہ آپ ان کے قرض خواہوں سے بات کریں۔ اگر قرض خواہ معاف کرنے والے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو معاف کرتے (مگر وہ اس پر آمادہ نہ ہوئے تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مال اُن کے قرض خواہوں کو فروخت کرنا شروع کیا حتی کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ خالی دامن اُٹھ کھڑے ہوئے۔

۲۔ مفلس یا دیوالیہ شخص کے پاس اگر قرضخواہ اپنا اصل مال پالے تو فوراً لے لے۔ یہ نظیر دیکھیں۔

عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایما رجل افلس فادرك رجل مالہ بعینہ فھو احق من غیرہ [2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مفلس ہو جائے اور کوئی قرضخواہ اسکے پاس اپنا اصل مال (جو قرضہ میں دیا تھا) پائے تو وہ اسکا سب سے زیادہ حقدار ہے اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات مقروض جو چیز یا رقم قرض لیتا ہے وہ اسکے پاس ہونے کے باوجود بھی اتنا مجبور و مقہور ہوتا ہے کہ اسے مالک یا قرضخواہ کو واپس نہیں کر سکتا۔

۳۔ اگر قرضخواہ ایک سے زائد ہوں تو عدالت مقروض (مفلس۔ دیوالیہ) کا اثاثہ فروخت کر کے اُسے قرضخواہوں

[1] رواہ سعیدؒ فی سننہ مرسلا، بحوالہ مشکوٰۃ، باب الافلاس والانظار، حدیث نمبر ۱۹

میں ان کے قرضوں کی نسبت سے تقسیم کر دے۔ یہ نظیر قابل توجہ ہے۔

عن ابی سعید قال اصیب رجل فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم فی ثمار ابتاعها فکثر دینه فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: تصدقوا علیه، فتصدق الناس علیه فلم یبلغ ذٰلک وفاء دینهٗ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لغرماءه خذوا ما وجدتم ولیس لکم الا ذٰلک [۱]

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایک شخص نے پھل خریدے جس میں اسے نقصان ہوا اور اس پر قرض بہت چڑھ گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ترغیب دی: انہیں صدقہ دو لوگوں نے انہیں صدقہ دیا مگر صدقہ کی مقدار اتنی نہ ہوسکی جو ان کا قرض چکانے کے لیے کافی ہوتی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قرضخواہوں سے فرمایا: جو کچھ تمہیں ملتا ہے وہ لے لو اور اس کے سوا اور تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔

۴ - جب کوئی مقروض دیوالیہ ہوجائے تو جو کچھ اس کا مال اسباب اس کے پاس ہوتا ہے وہ اس کا نہیں رہتا۔ لہٰذا اسے اس میں تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہوتی عدالت اسے ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔ عدالت کے اس منع کرنے کو فقہ میں حجر جس کا اردو زبان میں ترجمہ قرقی (**Inhibition**) ہے

عن کعب بن مالک عن ابیه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم حجر علی معاذٍ ماله وباعه فی دین علیه [۲]

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم رضی اللہ عنہ سے روایت

---

[۱] رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الافلاس والانظار، حدیث نمبر ۲

[۲] رواہ الدار القطنی وصححہ الحاکم واخرجہ ابوداؤد مرسلا

کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے مال میں تصرف سے منع فرما دیا اور اسے ان کا قرضہ کے چکانے کے لیے فروخت کر دیا۔

۴۔ قیمتوں پر کنٹرول

قیمتوں کا عادلانہ معیار معاشی عدل و انصاف اور معاشرتی امن و خوشحالی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسلام کا قانون تجارت قیمتوں کے منصفانہ ہونے کا مبلغ اور معالج تو ہے مگر وہ کسی بیرونی قوت کے ذریعے قیمتوں کو کسی سطح پر لانے کا داعی نہیں۔ اسلام کے قانون تجارت کے مطابق قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کی بنیاد طلب و رسد کی باہمی مناسبتوں پر مبنی ہے۔ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کی اصل وجہ بنیادی اشیاء ضرورت کی مصنوعی قلت ہے جو احتکار اور دیگر غیر اسلامی تجارتی صورتوں سے وجود میں آتی ہے، جس کے علاج کے لیے اسلام ایسے تمام استحصالی حربوں کو حرام قرار دیتا ہے اور یوں اشیاء ضرورت اور دیگر اشیاء کو کھلی منڈی میں بافراط لانے کے دروازے کھول دیتا ہے۔ جب اشیاء بازار میں قدرتی طریقہ پر آئیں اور ان کی طلب قدرتی طریقہ پر ہوتی رہے تو قیمتیں اپنی مناسب سطح پر رہیں گی۔ جب اشیاء کی قلت نہیں ہوتی اور صارفین کی طلب کے برابر یا قریب ہوں گی تو قیمتوں کے غیر فطری اتار چڑھاؤ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام نے حکومت یا کسی بیرونی طاقت کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ اپنے آہنی پنجوں سے قیمتوں کو ایک معیار پر کس دے اور یوں اس آہنی پنجہ میں طلب و رسد کے قدرتی نظام کو جکڑ دیا جائے۔ البتہ حکومت کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ مصنوعی قلت کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔ احتکار اور اجارہ داری کے تمام مکروہ حیلوں کو ختم کرے اور اگر قدرتی آفات

یا ناگہانی صورتوں سے اشیاء کی قلت پیدا ہو تو حکومت اس کو ختم کرنے کے لیے بیرونی ذرائع سے اشیاء حاصل کرے۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظیر قابل تقلید ہے، جب ۱۸ھ میں مدینہ منورہ اور آس پاس کے علاقوں میں قحط کے آثار نمایاں ہوئے اور قیمتیں چڑھ گئیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے مصر و شام سے غلہ اور ضروریات زندگی کے لدے پھندے قافلے منگوائے اور یوں قیمتیں اپنی قدرتی سطح پر آگئیں اور اللہ کریم نے اپنا کرم کرکے قحط کی صورت ختم کر دی۔[1]

موجودہ حکومتوں نے قیمتوں پر کنٹرول کی صورت میں تجار اور صارفین دونوں کے معاشی استحصال کا ہتھیار اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے جسے وہ جب چاہیں بے رحمانہ چلائیں اور غریب عوام بیچارے کچھ بولنے کی سکت نہیں رکھتے حکومت کے اس ہتھیار کی کئی صورتیں ہوتی ہیں مثلاً درآمدی ٹیکسوں کا بوجھ بڑھا دیا جاتا ہے، دوکان داروں پر روز افزوں سیلز ٹیکس لگا کر اس خنجر کی دھار کو تیز کر دیا جاتا ہے۔

اسلام کے عادلانہ قانونِ تجارت نے قیمتوں کے نظام کو اختیاری تصرفات سے پاک رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کی صلی اللہ علیہ وسلم، قیمتیں مقرر کر دیں تو آپ نے انکار فرما دیا۔

روی انس قال: غلا السعر علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا: یارسول اللہ! لو سعرت لنا، فقال: ان اللہ ھو القابض الرازق الباسط المسعر، وانی لا جو ان القی اللہ ولا یطالبی احد بمظلمۃ

---

[1] ابن جوزی، سیرۃ عمر بن الخطاب، مطبع سعادت، قاہرہ۔ ۱۳۴۲ھ۔ ص ۱۵۴

ظلمتها ایاہ فی دم ولا مال [1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک ایک بار بھاؤ چڑھ گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے درخواست کی یا رسول اللہ! اگر آپ ہمارے لیے بھاؤ مقرر کر دیں (تو کیا اچھا ہو!) آپ نے ارشاد فرمایا: یقیناً اللہ کریم ہی کشادگی پیدا کرنے والے ہیں۔ اور میں تو یہ تمنا لیے ہوئے ہوں کہ میں اللہ کریم کو اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ سے ایسے ظلم کا مطالبہ نہ کرے جو میں نے اس پر کیا ہو، وہ ظلم خون کے بارے میں ہو یا مال کے بارے میں۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: جاء رجل الی رسول الله علیه وسلم فقال یارسول الله! سعرلنا فقال بل ادعوا الله، ثم جاءه رجل فقال: یارسول الله! سعرلنا، فقال: بل الله یرفع و یخفض وانی لا رجوا ان القی الله ولیست لاحد عندی مظلمة [2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! ہمارے لیے نرخ مقرر کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا: بس میں تو دعا کر سکتا ہوں، پھر اسی طرح ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی یہی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: بھاؤ چڑھانے اور گرانے والے تو اللہ کریم ہی ہیں۔ اور میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میں اللہ کریم سے اس حال میں ملوں کہ میرے ذمہ کسی پر ظلم کیا ہوا نہ ہو۔

---

[1] رواہ الترمذی وابن ماجہ ابوداؤد۔ بحوالہ مشکوٰۃ، باب الاحتکار، حدیث نمبر ۳

[2] رواہ الطبرانی فی الاوسط، الہیثمی مجمع الزوائد و منبع الفوائد کتاب البیوع باب التسعیر

ابوداؤد میں ہے۔

ان السعر غلا فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال الناس لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان السعر قد غلا فوظّف وظیفۃ نقوم علیھا: فقال: ان الرخص و الغلا بید اللہ لیس لنا ان نجوز امر اللہ وقضاءہ [1]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں قیمتیں چڑھ گئیں۔ لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا بھاؤ چڑھ گئے ہیں آپ اپنی طرف سے ایک بھاؤ مقرر فرمادیں تاکہ ہم اس پر قائم رہیں۔ آپ نے فرمایا۔ یقیناً سستا اور مہنگا کرنا تو اللہ کریم کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ اللہ کریم کے فیصلہ اور تقدیر میں دراندازی کریں۔

ان احادیث مبارکہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمتوں کے کنٹرول کے لیے حکومتی دست اندازیوں اور ہتھکنڈوں کو قتل کے جرم کے برابر قرار دیا ہے، خواہ یہ ظلم صارفین پر ہوتا ہو یا تاجران پر ہو۔ حکومت کی بات تو الگ رہی اس کا پنجہ تو سخت گیر ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی الرکبان''، بیع الحاضر لباد اور احتکار کو منع کر کے عام باشندوں تک کو بازار میں رسد پر اثر انداز ہونے اور نتیجۃً قیمتوں کے متاثر کرنے کو گوارا نہیں فرمایا بلکہ اس قسم کے استحصالی حربوں کو بہت بڑا گناہ قرار دیا۔

قیمتوں پر کنٹرول کے نقصانات

قیمتوں پر کنٹرول کے موجودہ طریق کار (جو سرمایہ دارانہ نظام کا ایک اور تحفہ ہے) کے بہت واضح نقصانات ہیں جن کا نشانہ غریب صارفین اور تجار دونوں بنتے ہیں مثلاً:

۱۔ اگر حکومت تاجران کے اخراجات سے کم قیمتیں مقرر کر دے تو اشیاء ضرورت بازار سے غائب ہو جاتی ہیں اور نتیجۃً قیمتیں ایک بار پھر آسمان سے باتیں

---

[1] ابوداؤد السنن، کتاب البیوع، باب فی التسعیر

کرنے لگ جاتی ہیں، یا وہ اشیاء بلیک مارکیٹ (السوق السوداء) میں فروخت ہونے لگتی ہے۔

۲- قیمتوں پر کنٹرول چور بازاری کو جنم دیتا ہے۔ کنٹرول کے دنوں میں حکومت بظاہر عوام کے فائدہ کی غرض سے جن اشیاء کی قیمتیں مقرر کرتی ہے ان کے ڈپو کھول یا مقرر کر دیتی ہے۔ یہ ڈپوز کہاں کہاں کھلتے ہیں؟ ان کا پرمٹ کن اور کیسے اشخاص کو بطور سیاسی رشوت کے ملتا ہے؟ یا ان ڈپو ہولڈروں سے کس قدر بھاری رشوت لے کر انہیں پرمٹ دیا جاتا ہے؟ وہ ڈپو ہولڈرز غریب صارفین کو اشیاء کس نرخ پر اور کس طرح تول کر دیتے ہیں اور کن کو بالکل نہیں دیتے اور کن کو نوازتے ہیں؟ ان کا اپنا منافع کس قدر ہوتا ہے اور صارفین کو کیا دشواریاں برداشت کرنا پڑتی ہیں؟ اگر ان تمام تلخ حقائق اور دلخراش موضوعات کو صرف نظر بھی کر لیا جائے تب بھی یہ سوال سوال ہی رہتا ہے کہ کیا صارفین کو اس کنٹرول ریٹ (نرخ) پر وہ اشیاء ان کی ضرورت اور احتیاج کے مطابق ملتی ہیں۔

۳- ان ڈپوز (Depots) کی اشیاء میں عموماً ملاوٹ ہوتی ہے، وہ غیر معیاری بلکہ مضر صحت ہوتی ہیں۔ کیا یہ سب کچھ کنٹرول ریٹ (Control Rate) کی کرشمہ سازی نہیں ہے؟

۴ قیمتوں پر کنٹرول کی شکل میں قرآن کا تجارتی قانون۔ اِلَّآ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ پورا نہیں ہوتا۔ جس کی روشنی میں تجارتی لین دین، خرید و فروخت تو باہمی رضامندی سے ہونا چاہیئے۔ مگر یہاں تو تاجر اور صارف دونوں ایک کنٹرول شدہ جبر کے تحت معاملہ کرتے ہیں۔

فقہاء امت کی آراء

نرخ مقرر کرنے (تسعیر) کی ممانعت پر تمام فقہاء امت کا اتفاق ہے حنبلی فقیہ شمس الدین ابو الفرج عبد الرحمٰن بن ابو بکر

بن محمد بن احمد ابن قدامہ المقدسی (م ۶۸۲ھ) لکھتے ہیں۔
رئیس مملکت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ عوام کے لیے اشیاء ضرورت کے بھاؤ مقرر کر دے بلکہ لوگ جس طرح چاہیں فروخت کر سکیں۔ یہی مسلک امام شافعیؒ کا ہے [1]

فقہاء احناف کا مسلک فقیہ مرغینانیؒ نے اپنی کتاب "الہدایۃ" میں یوں تحریر فرمایا ہے۔

"سلطان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ لوگوں کو متعین نرخوں کا پابند کر دے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" نرخ مقرر نہ کرو کیونکہ اللہ کریم نرخ مقرر کرنے والا ہے، تنگی پیدا کرنے والا ہے، فراخی پیدا کرنے والا ہے رزق عطا کرنے والا ہے" اور دوسرے یہ بھی کہ قیمت (بتانا) عقد بیع کرنے والے کا حق ہے۔ لہٰذا اس کا تعین بھی وہی کر سکتا ہے۔ لہٰذا سلطان کو اس کے حق میں دراندازی نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ اگر ضرر عامہ کا ازالہ اس کا تقاضا کرے (تو اور بات ہے) اگر تاجر ان اناج من مانی قیمتیں وصول کرتے ہوں اور (منصفانہ) قیمت سے زائد دام وصول کرتے ہوں اور قاضی نرخ مقرر کرنے کے سوا کسی دوسرے طریقہ سے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ نہ کر سکتا ہو تو ایسی صورت میں اہل الرائے اور صاحب بصیرت افراد کے مشورہ سے نرخ مقرر کر دینے میں کوئی حرج نہیں [2]

بابرتیؒ نے ہدایہ کی شرح "بنایہ" میں "تعدی فاحش" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ۔

"مثلاً ایک بوری اناج کی قیمت ۱۰۰ درہم وصول کریں جب کہ اس کی قیمت

---

[1] ابن قدامہ المقدسی: الشرح الکبیر علی ہامش المغنی، قاہرہ، ج ۴، ص ۴۴-۴۵
[2] مرغینانی: الہدایہ، باب الکراہیۃ

خریدصرف ۵۰ درہم ہو تو مسلمانوں کو ضرر سے بچانے کے لیے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا جائے [1]

آپ نے ان دونوں عبارتوں سے اندازہ لگالیا ہوگا کہ گو احناف تسعیر کے قائل ہیں مگروہ صرف اور صرف اس صورت میں جب کوئی منافع خور تاجر اپنے ابنائے جنس کی مجبوری سے غلط فائدہ اٹھاکر انہیں اناج یا دیگر اشیاء ضرورت اتنے زیادہ نفع پر بیچنا شروع کردے جو عوام کی برداشت سے باہر ہو۔ دوسرے گو احناف نے تسعیر (قیمتوں کا کنٹرول) کی اجازت دی ہے مگر اسے بالکراہت جائز قرار دیا ہے کیونکہ انہوں نے اس اجازت کا ذکر کتب فقہ میں باب الکراہیۃ میں کیا ہے (یعنی ایسی اشیاء یا ایسے امور کا بیان جن کا کرنا مکروہ ہے)۔

قیمتوں پر کنٹرول کے باب میں غبن فاحش کا بیان کرنا نہایت اہم ہے کیونکہ یہی غبن فاحش ہی وہ اصل وجہ ہے جس نے تسعیر (پرائس کنٹرول) کے نظریہ کو جنم دیا ہے۔ فقہاء اسلام نے اپنی کتابوں میں اس پر مفصل باب باندھا ہے۔ یہاں ان کی بحث کا خلاصہ نقل کرتے ہیں۔

غبن فاحش غبن فاحش کے معنی ہیں ناجائز منافع خوری اسلام کے عادلانہ نظام نے تجارت کو اس لیے جائز قرار دیا ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے نفع اٹھائیں شریعت مطہرہ نے اس نفع کی کوئی حد مقرر نہیں کی نہ ہی نفع کمانے سے منع کیا ہے البتہ غبن فاحش کو گوارا نہیں کیا۔ اس منافع کی اجازت کو سرمایہ دارانہ ذہنیت رکھنے والے تاجران کارخانہ داران اور مل مالکان نے غبن فاحش کی وجہ جواز بنالیا ہے۔ گو خریدار اور فروخت کرنے والا دونوں چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ

---

[1] البابرتی، اکمل الدین محمد بن محمد: العنایۃ (شرح الھدایہ) باب الکراہیۃ

نفع اٹھائیں مگر خریدار (صارف) عموماً محتاج ہوتا ہے جب کہ فروخت کرنے والا مستغنی بن بیٹھتا ہے، لہٰذا وہ اکثر اوقات صارفین کی حاجت مندی کا استحصال کرتا ہے۔ اس استحصال کو اسلام کے قانون تجارت نے ممنوع کر دیا ہے۔

غبن فاحش کے ضمن میں دو باتیں غور طلب ہیں۔

۱۔ کیا غبن فاحش کی کوئی حد مقرر کی جا سکتی ہے۔

۲۔ غبن فاحش والے معاملہ بیع کا کیا حکم ہے۔

ان دونوں سوالات کا جواب اکٹھا دیا جاتا ہے۔

غبن فاحش کی حد مقرر کرنے پر فقہاء اسلام کا اختلاف ہے، فقہاء مالکیہ کی رائے میں غبن فاحش اس وقت ہوتا ہے جب مال تہائی قیمت سے زیادہ نقصان پر بکے۔ فقہاء مالکیہ کی زیادہ معتبر رائے یہ ہے کہ اگر مال کے دام واضح طور پر بہت ہی زیادہ ہوں۔ یا واضح طور پر بہت ہی کم ہوں تو غبن فاحش ہوگا۔ اس صورت میں اگر مال (مبیع) میں تصرف نہ کیا گیا ہو اور مال کی بیع پر ایک سال نہ گذرا ہو تو مال واپس کرنے کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے[1]

فقہاء حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے کہ اس صورت میں فاحش میں مال واپس کیا جا سکتا ہے، البتہ انہوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ فریقین کو صحیح دام (منصفانہ اور معیاری قیمت) معلوم ہونے کے باوجود غبن فاحش کیا گیا ہو[2]

فقہاء احناف کی رائے میں غبن فاحش ایسی قیمت کو کہتے ہیں۔ جو قیمت لگانے

---

[1] عبدالرحمٰن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ: ج ۲۔ قسم المعاملات۔ کتاب البیوع۔ فصل الغبن الفاحش

[2] حوالہ بالا

کے اندازہ سے باہر ہو مثلاً کسی نے کوئی چیز دس روپے میں خریدی مگر واقف کاروں نے قیمت لگا والوں میں سے کسی نے پانچ دراہم، کسی نے چھ درہم، کسی نے سات درہم بتائی مگر کسی نے بھی دس یا نو درہم نہ بتائی، تو کہا جائے گا کہ وہ قیمت کسی بھی قیمت مقرر کرنے والے کے اندازہ سے زیادہ ہے لہٰذا یہ قیمت غبن فاحش ہے اگر یہ قیمت کسی بھی قیمت لگانے والے کے اندازہ میں آجاتی تو غبن فاحش نہ ہوتی۔ غبن فاحش والا معاہدہ بیع ملسوخ ہو سکتا ہے فقہاء شوافع کی بھی یہی رائے ہے [1]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ غبن فاحش یا بہت ہی زیادہ منافع لینے والے تجار کو حکومت عادلانہ قیمتوں پر سامان فروخت کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ اور انفرادی طور پر ایسے تجار کے سودے منسوخ کر کے انہیں تادیبی سزا بھی دی جا سکتی ہے، جو کہ انہیں ایک مدت تک کاروبار تجارت بند کرنا بھی ہو سکتی ہے۔

نظام حسبہ

اسلام کا قانونِ تجارت کاروبار تجارت کو ذریعہ برکت و فلاح اور خدمتِ خلق اور تعاون بین الناس بنانا چاہتا ہے نہ کہ صرف نفع کمانے اور ابنائے جنس کا معاشی استحصال کرنے کا ذریعہ۔ تجارت کے فوائد کے حصول اور اس کے ذریعے مفسدات اور مضرات سے بچاؤ کے لیے اسلام نے اسلامی ریاست کو حق دیا ہے کہ وہ حسبہ کا نظام قائم کرے گو اس کا نظام حسبہ صرف تجارتی کاروبار یا مالیاتی لین دین کی اصلاح تک محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ کار ہر معروف کا حکم کرنے اور بدی سے روکنے تک پھیلا ہوا ہے اور اس کی اساس ان قرآنی آیات اور احادیث نبویہ پر رکھی گئی ہے جو نیکی کا حکم کرنے اور بدی سے روکنے کے لیے وارد ہوئی ہیں۔ مگر یہاں ہمارا موضوع بحث چونکہ تجارت

---

[1] حوالہ بالا

ہے لہٰذا یہاں حسبہ کے تجارتی اصلاح کے پہلو کو زیر بحث لایا جا رہا ہے۔
نظام حسبہ کا مقصد تجارتی کاروبار کو چند خاص آداب اور ضوابط کا پابند بنانا ہے اس کارِ خیر کا آغاز بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک عہد میں شروع کر دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس بازار میں تشریف لے جاتے اور تجارتی سرگرمیوں کی نگرانی فرماتے ایک دن آپ مدینہ منورہ کے بازار میں چل رہے تھے آپ نے ایک دوکان دار کو دیکھا جو اپنا اناج بیچ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شک گذرا تو آپ نے اناج میں ہاتھ ڈال کر دیکھا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علی صبرۃ طعام فادخل یدہ فیھا فنالت اصابعہ بللا فقال: ماھذا یاصاحب الطعام قال: اصابتہ السماء یارسول اللہ! قال: افلاجعلتہ فوق الطعام حتی یراہ الناس: من غش فلیس منا [1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اناج کے ڈھیر کے پاس سے گذرے اور اس میں اپنا ہاتھ ڈال کر دیکھا تو آپ کے ہاتھ کی انگلیاں نمی سے تر ہوگئیں۔ آپ نے دریافت کیا اے اناج والے! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آسمانی اوس کا اثر ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا! پھر تو نے اسے اناج کے اوپر کیوں نہ رکھ دیا۔ تاکہ (صارفین) لوگ اسے دیکھ لیتے اور دھوکہ سے بچ جاتے) یاد رکھو! جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلقی الجلب اور بیع الحاضر لباد کا ممنوع قرار دینا اس

---

[1] مسلم: صحیح بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب البیوع باب المنھی عنھا من البیوع

نظام حسبہ کی ہی ایک کڑی تھی بیع کے ان دونوں طریقوں کے ذریعے ہوشیار شہری تاجر شہریوں اور دیہاتیوں دونوں کا معاشی استحصال کیا کرتے تھے۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارتی معاملات اور کاروبار کی نگرانی کے لیے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا تقرر کر رکھا تھا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بازار کی نگرانی کے لیے حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا تھا۔[2] بسا اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کار خیر خود انجام دیا کرتے تھے۔ ایک بار اسی طرح بازار سے گذر رہے تھے۔ کہ ایک شخص کا پانی ملا دودھ دیکھ کر اس دودھ کو بہا دیا۔[3]

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد کے ادوار میں مسلمان خلفاء اور بادشاہوں نے نظام حسبہ کو مضبوط تر اور اس کا دائرہ کار وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ محتسب کی ذمہ داریاں نہ صرف مبیع کے معیار تک منحصر رہیں بلکہ ان میں مبیع سے کہیں زیادہ اہم امر یعنی بیع و شراء کے اصولوں کی ترویج و عملداری پر نظر رکھنا بھی شامل تھا۔

آئیے سب سے پہلے محتسب کی ان ذمہ داریوں پر نظر ڈالتے ہیں جن کا تعلق مبیع کے معیار سے ہے۔ ہم اس ضمن میں جو جو احکامات جن جن اشیا و خدمات کے بارے میں نقل کریں گے گو ان کا تعلق ہماری آج کی معاشی سرگرمیوں سے بہت کم ہے مگر ان کی روشنی میں ہم ہی آج کی تجارتی خرابیوں کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ ہمارے سامنے اس سلسلہ میں ابن تیمیہؒ کی کتاب "الحسبہ فی الاسلام" اور "السیاسۃ فی احوال الراعی والرعیۃ

---

[1] رسالہ لواء الاسلام، قاہرہ، جون ۱۹۵۳ء

[2] علی المتقی: کنز العمال، ج۳، روایات نمبر ۲۶۵۲، ۲۶۵۸ دائرۃ المعارف حیدر آباد (ہند)، ۱۳۱۲ھ

[3] حوالہ بالا: جلد ۳، روایات ۲۶۵۲، ۲۶۵۸۔

ابن اخوۃ کی کتاب معالم القربۃ فی احکام الحسبہ، ابن قیم جوزیہ کی کتاب "الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ"، الماوردی ؒ کی کتاب الاحکام السلطانیہ ہیں۔ ان میں سے ابن اخوۃ وہ ممتاز عالم دین ہیں جنہوں نے حسبہ کے کاروباری پہلو پر بالتفصیل بحث کی ہے۔

انہوں نے آٹا پیسنے والوں، تنوری روٹی پکانے والوں، سوئی بنانے والوں اور کنگھی بنانے والوں سے لے کر جہاز رانوں کے لیے ضابطہ تجارت اور ضابطہ کاروباری اخلاق تحریر کیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ فقہاء اسلام کی نگاہ کاروباری معاملات کی اصلاح میں کس قدر وسیع اور دقیق تھی۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

آٹا پیسنے والوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"(محتسب) آٹا پیسنے والوں کو اس کا پابند بنائے گا کہ وہ غلہ کو پیسنے سے پہلے اچھی طرح صاف کریں تاکہ اس سے گردوغبار دور ہوجائے۔ البتہ انہیں گندم، پیسنے سے پہلے اس پر تھوڑا سا پانی چھڑکنے کی اجازت ہوگی کیونکہ ایسا کرنے سے آٹا کی سفیدی زیادہ ہوجاتی ہے۔ محتسب آٹے کا معائنہ کرے گا کیونکہ اکثر اوقات آٹا پیسنے والے اس میں باقلا ملا دیتے ہیں یہاں تک کہ آٹا میں رنگ آجاتا ہے، یہ دھوکہ دہی ہے محتسب جس کسی کو اس جرم کا مرتکب پائے اسے لوٹ کے اور تادیباً سزا دے محتسب لوگوں کو اس امر کا پابند بنائے کہ وہ دلوائی اور صفائی اچھی طرح کرلیا کریں تاکہ آٹا زیادہ صاف اور عمدہ ہو[1]

تنوری روٹی پکانے والوں کے بارے میں لکھا۔

محتسب ان لوگوں کو حکم دے گا کہ وہ ہر بار استعمال سے پہلے تنور صاف کرلیا

---

[1] ابن اخوۃ محمد بن محمد بن احمد القرشی معالم القربۃ فی احکام الحسبۃ، کیمبرج پریس لندن، ۱۹۳۸ء ص ۸۹-

کریں۔ آٹا گوندھنے والا اپنے پاؤں، گھٹنے اور کہنیوں سے آٹا نہ گوندھے کیونکہ اس سے کھانے کی توہین ہوتی ہے اور بسا اوقات آٹے میں اس کی بغل یا بدن سے پسینہ ٹپک جاتا ہے۔ دن میں آٹا گوندھنے والے کے پاس ایک دوسرا آدمی بیٹھ کر کسی چیز سے مکھیاں اڑائے۔ یہ لوگ تنوری سے روٹی اس وقت تک نہ نکالیں جب تک وہ پوری طرح نہ پک جائے، مگر جلنے نہ پائے۔ محتسب کو چاہیئے کہ وہ بیکری والوں سے اس بات کا مطالبہ بھی کرے کہ وہ گھروں میں عموماً کھائی جانے والی روٹیاں تیار کریں کیونکہ عوام الناس کو ان کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔[1]

جہاز رانوں اور کشتی بانوں کے لیے ہدایات دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

جہاز رانوں اور کشتی بانوں سے کہا جائے کہ وہ ان پر معمول سے زیادہ بوجھ اور سواریاں نہ لادیں ورنہ ان کے ڈوب جانے کا خطرہ ہوگا۔ ان کو تیز ہوا اور آندھی کے دوران سفر کرنے سے روک دے اور جب عورتوں کے ساتھ مردوں کو بھی سوار کریں تو یہ ضروری ہوگا کہ ان کے درمیان پردہ آویزاں کریں۔[2]

سوئی بنانے والوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ان لوگوں پر ایک قابل اعتماد اور دیانت دار شخص نگران مقرر کر دیا جائے، البتہ اس شخص کے لیے اس کام سے واقف ہونا ضروری ہے۔ وہ ان لوگوں کو فولادی سوئیوں کو خام لوہے کی سوئیوں میں شامل کرنے سے روکے۔[3]

کنگھی بنانے والوں کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

---

[1] ابن اخوۃ محمد بن محمد احمد القرشی معالم القربۃ فی احکام الحسبہ، کیمبرج پریس لندن ۱۹۳۸ء۔ ص ۹۱-۹۲

[2] حوالہ بالا ص ۲۲۲

[3] حوالہ بالا ص ۲۲۴

انہیں اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ مردوں اور عورتوں کے استعمال میں آنیوالی کنگھیاں صرف بقس رومی (شمشاد) کی سخت لکڑی سے بنائیں۔ محتسب کاریگر کو اچھا کام کرنے کا حکم دے اور یہ بھی کہ کنگھی کے دندانے یکساں اور سیدھے ہوں [1]

فقہاء اسلام کے مطابق بازار کے محتسب کی ذمہ داریوں میں صرف اشیاء کے خالص یا ناخالص ہونے یا ان کے معیار کی پرکھ ہی نہیں تھا بلکہ وہ تجار سے یہ مطالبہ بھی کرتا تھا کہ کیا وہ تجارتی کاروبار کے اسلامی اصولوں سے واقف بھی ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں شیخ عبدالحی الکتانیؒ کے حوالے سے ابوعبداللہ بن الحاج کی کتاب "المدخل" کے چند اقتسابات نقل کیے جاتے ہیں۔

کان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یضرب بالدرة من یقعد فی السوق وھو لا یعرف الاحکام، وکان یقول لا یقعد فی سوقنا من لا یعرف الربا [2]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس دوکاندار کو درہ سے مارتے جو بازار میں بیٹھتا مگر احکام (تجارت) نہیں جانتا تھا اور آپ فرمایا کرتے: وہ شخص ہمارے بازاروں میں نہ بیٹھا کرے جو سود کے مسائل نہیں جانتا۔

۲۔ کان المحتسب یمشی فی الاسواق ویقف علی الدکان یسأل صاحبه علی الاحکام التی تلزمه فی سلعته۔ من این یدخل علیه الربا فیها؟ وکیف یحترزمنها؟ فان اجابه ابقاه فی الدکان وان جهل شیئاً من ذلک اقامه من الدکان [3]

---

[1] ابن اخوۃ محمد بن محمد بن احمد القرشی: معالم القربۃ فی احکام الحسبۃ، کیمبرج پریس لندن، ۱۹۳۸ء۔ ص ۲۲۷، ۲۲۸

[2] الکتانی: علامہ الشیخ عبدالحی، التراتیب الاداریۃ: ص ۱۸ - ۲۰

[3] حوالہ مذکورہ

ترجمہ: محتسب بازاروں میں چلتا اور دوکان میں جا کر دکان دار سے وہ مسائل دریافت کرتا جن کا معلوم ہونا اس کے لیے اپنا سود اسلف بیچنے کے لیے لازمی تھا۔ مثلاً خرید و فروخت میں سود کہاں کہاں سے داخل ہوتا ہے؟ اس سے کیسے چھٹکارا پایا جاسکتا ہے، اگر دوکان دار سوالات کے جوابات درست دے دیتا تو اسے دوکان میں بیٹھنے دیتا اور اگر وہ ان میں سے معمولی جواب بھی صحیح نہ دے پاتا تو محتسب اس کو دوکان سے اٹھا دیتا۔

۳۔ کان مالکؒ یامر الامراء فیجمعون التجار والسو ویعرضونهم علیه، فاذا وجد احدا منهم لا یفقه احکام المعاملات اقامه من السوق وقال له: تعلم احکام البیع والشراء ثم اجلس فی السوق [۱]

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ امراء کو حکم دیتے اور وہ تاجروں اور دوکان داروں کو اکھٹے کر کے آپؒ کے سامنے پیش کرتے، جب آپؒ ان میں سے کسی ایک کو تجارتی معاملات کا نہ جاننے والا پاتے تو اسے بازار سے اٹھا دیتے اور اس سے ارشاد فرماتے پہلے خرید و فروخت کے احکام کا علم حاصل کرو پھر بازار میں بیٹھنا۔

۴۔ عن مالک انه لا تجوز شهادة التجار فی شئ من الاشیاء الا ان یتحلموا احکام البیع والشراء [۲]

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ کے بارے میں ہی روایت ہے کہ وہ تجار کی گواہی اشیاء کے بارے میں قبول نہیں کیا کرتے تھے جب تک وہ خرید و فروخت کے احکام کا علم نہ حاصل کر لیتے

۵۔ کان التجار فی القدیم اذا سافروا استصحبوا معهم فقیها یرجعون الیه فی امورهم [۳]

---

[۱] الکتانی: علامہ الشیخ عبدالحی: الترتیب الاداریۃ: ص ۱۸-۲۰
[۲] حوالہ بالا
[۳] حوالہ بالا

ترجمہ: پرانے زمانہ کے تاجر جب تجارتی سفر پر نکلتے تو اپنے ساتھ ایک فقیہ کو چلنے کی بھی درخواست کرتے اپنے معاملات میں اسکی طرف رجوع کرتے۔

سلف صالحین کو اس اہم موضوع کی اہمیت و افادیت کا اس قدر احساس تھا کہ انہوں نے اپنی نظموں ۔ موضوع تجارتی معاملات کے علم اور تفقہ ہی کو بنایا۔ شیخ ابو سالم العیاشی اپنی نظم "شرح البیوع" میں لکھتے ہیں ؎

لا تجلس فی السوق حتی تعلما — ما حل من بیع و ما قد حرما

وفی الشراء ایضا ذاك واجب — ایضا علی جمیع من یسبب

ترجمہ: تجھے بازار میں بیٹھنے کی اجازت نہیں جب تک تجھے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ بیع میں کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے۔ اسی طرح خریدنے کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ہوں گی۔ خرید و فروخت کے حلال و حرام کا یہ علم دوکان دار کے سوا ان اشخاص کیلیے بھی ضروری ہے جو تجارتی کاروبار سے متعلق ہوں ابو زید تلمسانی نے اس بارے میں لکھا ہے

ولم یحل جلوسه فی الشرع — حتی یکون عارفا بالبیع

اعنی به فی سائر الاسواق — و ذاك معلوم بالاتفاق

ترجمہ: شریعت کی رو سے کسی شخص کو بازار میں بیٹھنے کی اجازت نہیں جبتک وہ تجارت (کے آداب) کا ماہر ہو اور یہ شرط تمام قسم کے تجارتی بازاروں میں بیٹھنے کیلیے بھی ہے اور اس پر علماء اسلام کا اتفاق ہے

موجودہ دور میں تو نظام حسبہ کی ضرورت ایک اور طرح سے بھی زیادہ ہو گئی ہے کہ اسوقت کسی دباری فرد کے فیصلے بازار میں اشیاء و خدمات (Goods & Services) کی طلب و رسد کو اس سے کہیں دہ متاثر کرتے ہیں جتنی زمانہ قدیم میں کرتے تھے جن دنوں اسلامی اصول حسبہ مدون کیے گیے تھے ج کل تو بڑے کارخانہ دار اور مل مالکان لاکھوں صارفین کیلیے اشیاء تیار کرتے ہیں۔ اور جب سے مغرب کے م سرمایہ داری نے اجارہ داری (Monoply) کے استحصالی حربہ کو قانونی جواز عنایت کر دیا ہے اس ت سے اجارہ دار کے ہاتھ میں ایسی تلوار دیدی گئی ہے جس سے وہ ابنائے جنس کا خون کرتا ہے مگر خون کا قطرہ نہیں گرنے دیتا ار کی منڈی میں سٹہ بازی جوا اور دھوکہ دہی نے نظام حسبہ کے [illegible] وضع کو وقت کی اہم ضرورت بنا دیا ہے

تجارتی سُود

تجارتی کاروبار میں آج تک جتنے استحصالی حربے استعمال کیے جاچکے ہیں ان میں مضر ترین، قبیح ترین اور جرم میں سب سے بڑھ کر ربوایا سود ہے۔ یہی وہ منحوس ترین استحصالی حربہ ہے جس کے استعمال سے قاتل سرمایہ دار مجبور غریب حاجت مند کا خون چوستا ہے اور پل پل کر خون خوار بھیڑیا بنتا ہے جو بلا تمیز دشمن و دوست جسے چاہتا ہے چیرتا پھاڑتا ہے۔ منحوس سرمایہ دارانہ نظام نے اس انسانیت کش بے رحم حیلہ کو اتنی ترقی دی ہے اور اسے اس طرح سائنٹفک بنیادوں پر منظم کر دیا ہے کہ آج دنیا کی تمام قومیں اسکے دام تدویریں میں گرفتار ہیں اور ایک منظم استحصال (Organized Exploitation) کے ذریعے سرمایہ دار، بنکار ــــــ حکومت ہو یا افراد ــــــ تجارتی سود کے ہتھیار سے معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے حاجت مندوں کا خون نچوڑ رہے ہیں۔ حاجت مند تجارت پیشہ افراد اور غریب ضرورت مند اس ظلم کے بوجھ تلے کراہ رہے ہیں مگر سرمایہ دارانہ نظام کی کوکھ سے جنم لینے والا اور اس کی گود میں پرورش پانے والا سرمایہ دار ــــــ بنک ہو یا فرد ــــــ ان کی بے بسی پر مسکراتا ہے کہ اس کے کاروبار ظلم نے اُسے غریبوں کا حاکم بنا دیا ہے۔ اس یہودی نظام کی معقولیت اور جواز کے لیے نت نئے تھیوریز (Theories) ایجاد کی جا رہی ہیں۔ بے بس انسانیت اب اتنی مایوس ہو چکی ہے کہ اس کے پاس اب غالباً سوائے اللہ کریم کے حضور دعا اور اس کی کریم ذات سے نیک تمنا کے اور کوئی علاج نہیں۔

ے کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تیری منتظر روزِ مکافات

اسلام کے عادلانہ قانونِ تجارت نے روزِ اول ہی سے اس شجرِ ملعونہ کی جڑ پر

عدل اور ہمدردی کا کلہاڑا مارا تھا جب اسلام نے اُس جہالت کے دور میں جب تجارتی سود آج ہی طرح حق سمجھ کر لیا جاتا تھا، یہ اعلان کیا:

اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا[1]

ترجمہ: اللہ کریم نے تجارت کو حلال کیا ہے مگر سود کو ہر حیثیت سے حرام قرار دیا ہے۔

اس حرمتِ سود کے ساتھ ساتھ یہ رعایت بھی نہ دی گئی کہ جو سابقہ سودی رقم مقروض کے ذمہ بقایا رہ گئی ہے اسے ہی وصول کرنے کی اجازت دے دی جاتی، مگر اسلام نے سود کو اتنا ناپاک اور گندہ قرار دیا ہے کہ اس کا کسی انسان کے پاس آنا بدبودار اور خطرناک ہے، لہٰذا اس کا لینا سختی سے منع کر دیا۔ اگر سود خوار سرمایہ دار نے اس ظالمانہ حرکت سے توبہ کر لی تو اسے اس کا اصل لینے کا حق ہوگا ورنہ اس کا اصل بھی واپس نہیں ملے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم واقعی مسلمان ہو تو (سود کی حرمت کے بعد) جو تمہارا سود باقی رہ گیا ہے، وہ چھوڑ دو اور اگر تم ایسا نہ کرو تو پھر اللہ کریم اور اس کے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر تم اس حرکت سے باز آؤ گے تو تمہارا اصل سرمایہ تمہیں مل جائے گا (اللہ کریم کی مرضی یہ ہے کہ) نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

قرآن مجید نے سود خوار کو کافر بدکار قرار دیا ہے

---

[1] سورۃ البقرۃ (۲): ۲۷۵
[2] سورۃ البقرہ (۲): ۲۷۸-۲۷۹۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ [1]

ترجمہ: اللہ کریم سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کریم (سود خوار) کافر بدکار کو پسند نہیں کرتا۔

اسلام نے سود خوار کو پاگل اور دیوانہ کہا ہے: دراصل سود خوار کی دنیوی زندگی میں ذلت و رسوائی اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کی عقل ماری جاتی ہے اور وہ پاگل کتوں کی طرح ہر وقت ہل من مزید کی طلب میں سرگرداں رہتا ہے اور باولوں کی طرح اپنے ابنائے جنس کو کاٹ کھانے اور ان کے معاشی ذرائع پر زبردستی قبضہ کرنے کی فکر میں رہتا ہے، اور اپنی دیوانگی کو فرزانگی سمجھ کر یہ دلیل دیتا ہے کہ سود بھی تو تجارت ہی کی طرح ہے۔ قرآن مجید اس دیوانے کی بودی دلیل اور اس کے انجام کا خاکہ یوں کھینچا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا [2]

ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن اللہ کریم کے حضور) ایسی حالت میں کھڑے ہوں گے جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے بھوت پریت لگ جائے اور وہ خبطی ہو گیا ہو۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت کا معاملہ بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔

دنیائے دنی کے دیوانے سود خوار یہ سمجھتے ہیں کہ سود کے ذریعے ان کی دولت بڑھ رہی ہے حالانکہ درحقیقت وہ بے چینی، طبقاتی کشمکش اور حرص و حسد کی بلاؤں کو جنم دے کر معاشرتی سکون کو ضائع کر دیتے ہیں جب کہ انہوں نے معاشی خوش حالی کو مکھن کی طرح چاٹ لیا ہے۔ گو بظاہر سود کے ذریعے رقم میں اضافہ ہو رہا ہے جس پر مجنون سرمایہ دار پھول رہا ہے حالانکہ

---

[1] سورۃ البقرۃ (۲): ۲۷۶۔

[2] سورۃ البقرۃ (۲): ۲۷۵۔

درحقیقت اللہ کریم اس میں سے برکت نکال کر اُسے گھٹا رہے ہیں۔

وَمَا اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ [1]

ترجمہ: اور جو تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں (سرمایہ داروں) کے مالوں میں اضافہ ہو تو وہ اللہ کریم کے ہاں تو اضافہ نہیں پایا:

سود ایسی بُری چیز ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو مجسمہ اخلاق کریمانہ تھے اور جن کی بعثت کا مقصد ہی ایک حدیث میں لوگوں کو کریمانہ اخلاق سکھانا بتائی گئی ہے، سود خوار کے بارے میں وہ بھی لعنت فرماتے ہیں۔

عن جابر قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربو ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ہم سواء [2]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود خوار، دینے والے، سودی دستاویز لکھنے والے اور سود پر گواہی دینے والوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا کہ اللہ کریم کی پھٹکار میں وہ سب برابر ہیں

تجارت اور سُود میں فرق

سود خوار دورِ جاہلیت میں مکہ مکرمہ کے کفار میں سے ہو یا یہودی ساہوکار ہو یا آج کے دور میں انکا روشن خیال پیروکار ہو وہ جوازِ سود میں اپنی مخبوط الحواسانہ عقل کا سارا زور اس دلیل پر صرف کرتے ہیں کہ سود اور تجارت میں ایک وجہ اشتراک ہے اور وہ ہے "قدر زائد" یا "بڑھوتری" کہتے ہیں کہ سود بھی سرمایہ میں اضافہ کا موجب بنتا ہے اور تجارت بھی سرمایہ میں اضافہ کرتی

---

[1] سورۃ الروم (۳۰): ۳۹

[2] مسلم: صحیح، کتاب البیوع باب الربوا

ہے۔ لہٰذا اگر تجارت جائز ہے تو سود بھی جائز ہے کیونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے یعنی نفع کمانا اور سرمایہ میں اضافہ کرنا۔ مگر ان مجانین کو کون سمجھائے کہ بابرکت تجارت اور استحصالی سود میں اصولی فرق ہے۔

تجارت میں فریقین کے درمیان تین اصول موجود ہوتے ہیں۔

۱۔ فریقین (بائع اور مشتری) کے درمیان حقیقی رضامندی اور ارادہ۔

۲۔ فریقین میں باہمی تعاون اور اشتراک۔

۳۔ فریقین کے لیے حصول نفع کے یکساں مواقع۔

ہر ذی شعور خواہ قوانین معاشیات، قوانین تجارت اور اخلاقیات کا ادنیٰ سا علم بھی رکھتا ہو، اس حقیقت کو تسلیم کرے گا کہ یہ تینوں اصول نہ صرف جائز بلکہ معاشی ترقی اور معاشرتی فلاح کا بہترین ذریعہ ہیں، جب کہ سود میں ان تینوں کے برعکس ایسے طریقے پائے جاتے ہیں جو معاشی استحصال کے ساتھ ساتھ معاشرتی امن کو بھی برباد کرتے ہیں۔ وہ تین اصول ہیں۔

۱۔ ایک طرف (سرمایہ دار یا بنک) کا یقینی نفع اور دوسری طرف (محتاج، غریب) کا یقینی خسارہ وصول۔

۲۔ ایک طرف سود کمانے کے لیے حقیقی خود غرضانہ رضا و رغبت جبکہ دوسری جانب مصنوعی رضامندی مگر یقینی اضطرار و اکراہ۔

۳۔ باہمی تعاون و اشتراک کا فقدان۔ ایک طرف بنک یا سرمایہ دار کی یقینی ترقی اور خوش حالی دوسری طرف غریب قرضخواہ کے افلاس و بے بسی کا انتظار۔

اللہ کریم جو کہ حکیم ہے اور علیم بھی بھلا وہ کیسے ان سرمایہ پرستوں کی اِن بے سروپا اور لچر دلیلوں کو اپنی مخلوق میں پھیلنے دیتا۔ لہٰذا اس ذات کریم نے واضح کر دیا کہ تجارت حلال ہے اور سود حرام ہے۔

ربٰو کی دو بڑی قسمیں

فقہاء اسلام نے منحوس سودی کاروبار کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ ربوا نسیہ۔

۲۔ ربوا الفضل۔

۱۔ **ربوا نسیہ:** ربوا نسیہ جسے بعض مسلم ماہرین اقتصادیات نے مہاجنی سود بھی کہا ہے[۱]۔ زمانہ جاہلیت میں اس کی مندرجہ ذیل تین صورتیں پائی جاتی تھیں۔

۱۔ حاجت مند مجبور کو نقدی (درہم یا روپیہ وغیرہ) دیتے اور ایک معینہ مدت پر اس سے ایک مقررہ شرح (۲% یا ۲%) کے حساب سے اس سے سود وصول کرتے۔

۲۔ جب معینہ مدت کے بعد بھی حاجت مند غریب قرضہ مع سود ادا کرنے کی اہلیت نہ رکھتا تو ظالم وڈیرا اپنی رقم اور سود کو ملا کر اصل قرار دیتا اور پھر اس پر سود لگا دیتا جسے سود در سود کا نام دیا جاتا ہے۔

۳۔ بعض محتاج اپنی اشیاء ضرورت استحصالی سرمایہ داروں کے پاس رہن رکھ دیتے تاکہ ان دولت کے پجاریوں کو تسلی دے کہ انہوں نے کم دے کر غریب کی زیادہ مالیت کی اشیاء پر قبضہ جما رکھا ہے۔ اس ظلم کی انتہا اس پر ہوتی کہ اگر وہ غریب مقررہ مدت پر بھی قرض ادا نہ کر سکتا تو وہ سرمایہ دار اس غریب کی ان اشیاء کی اونے پونے داموں قیمت کر کے انہیں ہضم کر لیتے اور غریب پر بقیہ رقم سود پر چلتی رہتی[۲]۔

ربوا نسیہ کی ایک تعریف فقہاء کرام نے یہ بھی کی ہے۔ یہ زیادتی ادھار کے معاملہ میں

---

[۱] مولانا محمد حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۹ء، ص ۲۶۶۔

[۲] ابوبکر جصاص: احکام القرآن ج ... ۵۸۔

ہوتی ہے ۔ اس سے مراد وہ یکطرفہ زیادتی ہے جو ادائیگی قیمت میں تاخیر کے عوض میں ہوتی ہے ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے ایک بوری گندم موسم سرما میں اس شرط پر لی کہ موسم گرما میں ڈیڑھ بوری گندم اس کے عوض (قیمت میں) دی جائے گی ۔ ایسی صورت میں نصف بوری گندم کا اضافہ کسی فروخت شدہ شے کے معاوضہ میں نہیں ہے بلکہ صرف اس مدت کے عوض میں ہے اسی لیے اس کو ربوٰا النسیہ یعنی وقفہ کے عوض ادائیگی (یا سودی قرضہ) کہا جاتا ہے ۔

۲ ۔ ربوٰا الفضل :۔ ربوٰا الفضل ایسی زیادتی ہے جو یکطرفہ ہوتی ہے جو کسی جنس کی قیمت کی ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے ہوتی اور نہ ہی کسی شے کے معاوضہ میں ہوتی ہے ۔

یہ زیادتی دست بدست تبادلہ نقود یا متجنس اشیاء کے تبادلہ میں ایک طرف سے زیادتی کے مطالبہ اور دوسری طرف (جو ہمیشہ مظلوم و محتاج ہوتی ہے) سے ادائیگی یا ان اشیا کے ادھار کے سبب وجود میں آتی ہے ربوٰ کی یہ استحصالی شکل شریعت مطہرہ کے مندرجہ ذیل اصولوں کو نظرانداز کرنے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے ۔

۱ ۔ اگر ہر دو جانب خرید و فروخت کی شے ہم جنس ہے یعنی سونے کا سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں، جو، نمک، کشمش، منقی وغیرہ اشیاء کا ہم جنس شے سے بیع وشرا مطلوب ہے تو کھرے اور کھوٹے، منقوش اور غیر منقوش، کم قیمت و بیش قیمت، عمدہ اور ردی کا لحاظ کیے بغیر دونوں جانب ناپ، تول میں مساوات بھی واجب ہے اور نقد خریداری بھی واجب و ضروری ۔ نہ کمی بیشی درست ہے اور نہ ادھار جائز ہے ۔

ب ۔ اگر جانبین میں ہم جنس شے نہیں ہے یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے، گیہوں کا جو سے یا جو کا گیہوں سے (وغیرہ وغیرہ) تبادلہ مقصود ہے تو ایسی صورت میں کمی بیشی تو درست ہے مگر ادھار جائز نہیں ہے بلکہ واجب ہے کہ عقد بیع کے دونوں جانب سے معاملہ بصورت نقد عمل میں آئے ۔ چنانچہ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بصراحت موجود ہے ۔

عن عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء یدا بید فاذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید۔ (مسلم: کتاب الربوٰ)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سونے کا تبادلہ سونے سے اور چاندی کا تبادلہ چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے، جو کا جو سے، خرما کا خرما سے اور نمک کا نمک سے یکساں برابر برابر اور دست بدست ہونا چاہیے (یعنی ناپ تول میں بھی مساوی ہوں اور اُدھار بھی نہ ہوں) اور اگر ان اقسام کا تبادلہ ہم جنس قسم کے ساتھ نہ ہو تو کمی بیشی کے ساتھ جس طرح چاہو معاملہ کرو مگر اُدھار کا معاملہ نہ ہو بلکہ دست بدست ہونا ضروری ہے۔

فقہاء امت نے اس حدیث کو تجارتی سود کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اس کا دوسرا نام "ربوا فضل" ہے۔

مبادلات خارجہ مذکورہ حدیث مبارکہ ایک اور حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے جس کی دعوت لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے یعنی جس طرح اسلام پوری انسانیت کا دین ہے اسی طرح اس اسلام کا معاشی نظام بھی تمام انسانوں (بلا تمیز رنگ و نسل اور وطن و علاقہ) کے لیے ہے۔ اسلام کا معاشی نظام تمام انسانوں میں معاشی عدل و انصاف کا معاملہ اور تعاون و ہمدردی کی فضا قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ انسان آپس میں "تبادلہ نقود یا تبادلہ اشیاء" کے نام پر ایک دوسرے کا استحصال کریں۔ گو معاشی کاروبارِ حیات میں عموماً انسان آپس میں سونے کا تبادلہ سونے سے اور چاندی کا تبادلہ چاندی سے نہیں کرتے مگر بین الاقوامی سطح پر "تبادلہ نقود یا مبادلہ خارجہ" (Foreign Exchange) کے ذریعے ترقی یافتہ اور امیر ممالک (اور اشخاص

غریب اور محتاج ممالک (اور اشخاص) کا استحصال کرتے ہیں۔ نظام سرمایہ داری کی بدبودار
سے جنم لینے والا یہ منظم طریقہ استحصال غریب اور امیر اور ترقی یافتہ اور پسماندہ ممالک کے
یانی معاشی دست برد کی راہیں کھول کر دیتا ہے۔ کیا امریکی ڈالر اللہ کریم کے عرش سے
ہے کہ اس کے بدلے غریب پاکستانی کو ۱۵ روپے دینا پڑتے ہیں؟ دونوں ایک ہی طرح
کاغذ کے دو پُرزے ہیں مگر کیا ظلم ہے کہ ایک پُرزہ پندرہ پرزوں کے برابر بکے۔ کیا یہ معاشی
سال نہیں ہے؟ کیا اگر امریکہ ایسے ایک ملک کی مصنوعات یا پیداوار کی مانگ کسی دوسرے
ملک میں زیادہ ہے تو وہ اس قدر کے بقدر دام بھی زیادہ وصول کرے۔ آخر اس دوسرے
مال کا جواز کہاں کہ قیمت بھی مصنوعات کی من چاہی لیں اور غریب ملک کا سکہ بھی بے قدر
کے لیں۔

ع ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیے؟

اسلام کے عادلانہ قانونِ تجارت نے اس معاشی قتل کو روکنے کے لیے اعلان کیا تھا
نا اور چاندی ہی دراصل دو نقدین ہیں اور ان میں ہر ایک اپنی جنس کے ساتھ برابر برابر
دیانہ تبدیل ہوگا۔ یہی وہ حکیمانہ اور عادلانہ تعلیمات نبویہ ہیں جن کے چشمہ صافی سے "وحدت
یک" (Unity of Coinage) کا تصور اُبھرتا ہے۔ اللہ کریم کرے کبھی یہ
ت کا روپ دھار لے تاکہ مظلوم انسانوں کو سرمایہ دار ظالم انسانوں کے ظلم سے نجات
سکے (آمین)۔

تجارتی سود کا رواج زمانہ جاہلیت اور عہدِ رسالت میں بھی تھا

ہمارے وہ اسکالرز جو کسی نہ کسی طرح تجارتی سود کا جواز تلاش کرنا چاہتے ہیں وہ
دلیل (جو ان کے نزدیک سب سے وزنی ہے) یہ دیتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں تجارتی
نے ہی نہیں لیے اور دیئے جاتے تھے لہٰذا ان دنوں تجارتی قرضوں پر سود کا تصور ہی نہیں

پایا جاتا تھا اور جس سود کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے وہ صرفی قرضوں پر سود ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عربوں میں سود کی اس قسم کا رواج تھا۔

ان معترض اسکالرز کی یہ بالکل بھول ہے جو ان کی حقائق سے لاعلمی پر مبنی ہے ورنہ اگر وہ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں اور واقعات کا کھوج لگائیں تو انہیں یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ دور جاہلیت میں تجارتی قرضے بھی لیے دیئے جاتے تھے اور ان پر سود بھی ہوتا تھا۔ ہم نے تاریخ اسلام اور سیرت کی کتابوں سے چند ایسے نظائر تلاش کیے ہیں جن سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ زمانہ قبل از اسلام میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے زمانے میں بھی (جب تک سود کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی) تجارتی قرضے اور ان پر سود کا وجود ملتا ہے۔

بنو عمرو کا بنو مغیرہ پر سُود

قبل از اسلام عرب کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف کے خاندان بنو عمرو بن عمیر (عامر) اور قبیلہ بنو مخزوم کے خاندان بنو مغیرہ اپنے تجارتی کاروبار کی بدولت مشہور تھے۔ بنو عمرو بن عامر تجارتی کاروبار کے لیے بنو مغیرہ کو سودی قرضہ دیا کرتا تھا۔ جب اسلام آیا اور اس نے حرمت سود کا اعلان کیا تو مغیرہ کے ذمہ ایک بہت بڑی رقم واجب الادا تھی ابن جریر کے یہ الفاظ قابل توجہ ہیں۔

کانت بنو عمرو بن عامر یاخذون الربٰو من بنی المغیرہ وکانت بنو المغیرہ یربون لھم فی الجاھلیۃ فجاء الاسلام ولھم علیھم مال کثیر[۱]

ترجمہ: زمانہ جاہلیت میں بنو عمرو بن عامر، بنو مغیرہ سے سود لیا کرتے تھے اور بنو مغیرہ

---

[۱] ابن جریر طبریؒ: جامع البیان عن آیات القرآن، ج ۶، دار المعارف، قاہرہ ص ۲۲-۲۳

انہیں سود دیا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو ان (بنو مغیرہ) پر ایک بہت بڑی رقم واجب الادا تھی۔

امام سیوطیؒ نے اس سودی کاروبار کی نوعیت کو یوں واضح الفاظ میں بیان کیا ہے

کان ربا یتبایعون به فی الجاهلية [1]

ترجمہ: یہ ایک ربا تھا جس کے ساتھ جاہلیت کے لوگ تجارت کیا کرتے تھے۔

مفسرین نے پورا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ جب بنو مغیرہ مسلمان ہو گئے اور بنو عمرو بن عامر (عمیر) نے ان سے اپنے سود کا مطالبہ کیا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اب وہ مسلمان ہو چکے ہیں لہذا ان کے نزدیک سود کا لینا دینا حرام ہے۔ ان کا یہ جھگڑا حضرت عتاب ابن اسید کی عدالت میں پہنچا (انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مکہ کا امیر مقرر کیا تھا) انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ لکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے قرآن مجید کی سورہ البقرہ کی دو مستقل آیات (۲۷۸-۲۷۹) نازل ہوئیں جن میں یہ واضح ارشاد تھا کہ سود کا لینا اور دینا حرام ہے۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھ بھیجا کہ سود کا لینا دینا بالکل حرام ہے [2]

اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان دو قبیلوں کا آپس میں سودی لین دین صرفی قرضوں پر نہیں بلکہ تجارتی قرضوں پر تھا اور ان دو قبیلوں کی حیثیت تجارتی کمپنیوں جیسی تھی۔

امام سیوطیؒ کی ایک روایت سے ان دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سرداران کی نشاندہی بھی ہوتی ہے جو تجارتی اغراض کے لیے سودی قرضے لیا کرتے تھے۔ سیوطیؒ

---

[1] امام سیوطیؒ: الدر المنثور، ج ۱ قاہرۃ، ص ۳۶۶

[2] بحوالہ ملا علی قاریؒ: عمدۃ القاری، ج ۱۱، ادارۃ طباعۃ منیریہ، قاہرۃ، ص ۲۰۱۔

لکھتے ہیں: ابن ابی حاتمؒ نے مقاتلؒ کے حوالہ سے اور ابو نعیمؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۷۸ بنو ثقیف کے سرداران مسعود، ربیعہ، حبیب اور عبد یالیل کے بارے میں نازل ہوئی جو بنو مغیرہ کو تجارت کے لئے سود پر رقم دیا کرتے تھے۔ جب بنو ثقیف کے یہ سرداران اسلام لائے تو انہوں نے سود لینا چھوڑ دیا [۱]

بنو ثقیف کے تجارتی قرضے

اسی طرح طائف کا مشہور قبیلہ ثقیف جو تجارتی بازاروں میں اپنی شہرت رکھتا تھا وہ بھی دوسرے قبائل بلکہ حکومت وقت سے تجارتی قرضے لیتا اور ان پر سود دیتا تھا۔ ابن ہشام نے مشہور کتاب "سیرۃ ابن ہشام" میں ایک سردار (جس کا نام درج نہیں ہے) کا وہ بیان نقل کیا ہے جو وہ مرتے وقت اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بنو ثقیف پر جو میری سود کی رقم ہے اسے وصول کر کے چھوڑنا" [۲]

حاکم وقت کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ قبیلہ ثقیف کی حیثیت بھی ایک قابل اعتبار تجارتی کمپنی کی سی تھی جسے سردار بھی تجارتی کاروبار کے لیے قرض دیتا اور سود وصول کرتا تھا۔

بنو ثقیف کے ذمہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی رقم سود کی تھی جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑنے کا حکم دیا [۳]

ابن جریر طبریؒ نے سدی سے نقل کیا ہے عباس بن عبد المطلب اور بنو مغیرہ کا ایک شخص سودی قرض کا کاروبار کرتے تھے۔ یہ ثقیف قبیلہ کے خاندان بنو عمرو بن عمیر کو سود پر

---

[۱] امام سیوطی، حوالہ بالا، ص ۳۶۶

[۲] ابن ہشام، سیرۃ، ج ۱، قاہرہ، ص ۴۲۰

[۳] امام سیوطی، حوالہ بالا۔

قرض دیا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اس نے یہ سود ختم کرا دیا[1]

امام قرطبی کی تفسیر امام قرطبی نے آیہ "فلہ ما سلف" کی تفسیر میں لکھا ہے۔

ھذا حکم من اللہ لمن اسلم من کفار قریش و ثقیف و من کان یتجر ھنالک[2]

ترجمہ: اللہ کریم کا یہ حکم ان لوگوں سے متعلق تھا جو تجارت پیشہ کفار قریش اور ثقیف میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔

حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا ایک تاجر پر تجارتی قرضہ

حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے ایک تاجر کو تجارتی قرضہ دے رکھا تھا اور اس سے اصل مع سود لینے کا مطالبہ کیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت کی آیت کریمہ کے پیش نظر انہیں سود لینے سے منع کر دیا۔

امام بغوی نے اس روایت کو بحوالہ عطا اور عکرمہ نقل کیا ہے۔[3]

ایک دوسری روایت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شرکت میں کاروبار تھا اور طائف کے مشہور تجارتی قبیلہ بنو ثقیف کے ساتھ ان کا لین دین تھا۔ اور ان کی ایک بھاری رقم بنو ثقیف کے ذمہ واجب الادا تھی[4]

---

[1] طبری، حوالہ مذکورہ، ص ۲۲۳

[2] قرطبی: حوالہ مذکورہ، ص ۳۶۱

[3] امام بغوی: تفسیر سورۃ البقرۃ، ایات ۲۷۸-۲۷۹

[4] خازن: تفسیر، ج ۱، نظارۃ المعارف، قاہرۃ، ۱۳۱۷ھ، ص ۲۲

ہند بنت عتبہ زوجہ ابو سفیان کا تجارتی قرضہ

امام طبری نے تاریخ طبری میں ۲۳ھ کے واقعات میں ہند بنت عتبہ کا واقعہ نقل کیا ہے جو اس حقیقت کا واضح ثبوت مہیا کرتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں تجارتی قرضوں کے لین دین کا رواج تھا۔ تاریخ طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

ان هندا بنت عتبه قامت الى عمر ابن الخطاب رضى الله عنه فاستقرضته من بيت المال اربعة الاف تتجر فيها تضمنها فاقرضها فذهبت الى بلاد كلب فاشترت وباعت [1]

ترجمہ: حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے بیت المال سے چار ہزار (درہم یا دینار) قرض مانگے تاکہ ان سے تجارت کرے اور ان کی (واپسی) ضامن ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دے دیئے۔ وہ بلاد کلب گئیں اور خرید و فروخت کرتی رہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادوں کا تجارتی قرضہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہما ایک بار عراق جہاد کے لیے گئے حضرت ابو موسیٰ اشعری ان دنوں بصرہ کے گورنر تھے جب یہ دونوں واپس مدینہ منورہ تشریف لانے کے لیے ابو موسیٰ سے ملنے گئے تو انہوں نے کہا میرے پاس بیت المال کی ایک رقم ہے تم اسے لے جاؤ اور خلیفہ حضرت عمر کو دے دینا۔ مگر اس صورت میں کہ میں تمہیں یہ رقم قرض دیتا ہوں تم اس سے راستہ میں تجارت کرنا نفع

---

[1] طبری: تاریخ الامم والملوک (اردو) حصہ سوم ص ۲ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۷ء

اپنے لیے رکھ لینا اور اصل بیت المال کے لیے خلیفہ کے سپرد کر دینا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔
(یہ ایک لمبا واقعہ ہے جس کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔)[1]

عصر حاضر سے ایک دلیل: عصر حاضر میں جس کثرت سے سودی کاروبار پھیل چکا ہے اور جس رفتار سے پھیل رہا ہے اس کے اثرات سے کسی ایسے شخص کے لیے بھی بچنا ناممکن ہو گیا ہے جو سود کا لینا دینا حرام سمجھتا ہو نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ناپسندیدہ صورت حال کی خبر اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے اس وقت دے دی تھی جب سودی کاروبار کے اس کثرت سے شیوع کا خیال بھی امت مسلمہ کو نہیں گذرا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک پر غور فرمایئے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیأتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربو فمن لم یا کلہ اصابہ غبارہ[2]

ترجمہ: لوگوں پر ایسا زمانہ ضرور آئے گا جس میں کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جس نے سود نہ کھایا ہو اور جو کوئی سود کھانے سے بچ گیا ہو اس تک اس کا غبار ضرور پہنچے گا۔

اس حدیث پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ اطلاع تجارتی سود کے بارے میں ہے نہ کہ صرفی شخصی سود کے بارے میں۔ کیونکہ صرفی شخصی سود کتنا ہی عام ہو جائے، کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ معاشرہ کا ہر فرد سودی قرضہ لے کیونکہ دین دار اغنیاء نہ سود لیتے ہیں نہ دیتے ہیں (جیسا کہ ان اللہ کریم کے نیک بندوں کے عمل سے آج بھی ظاہر ہے) پھر ان تک سود کا غبار کیونکر پہنچے گا؟ اور اس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک محل نظر رہے گا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سود کے غبار کی خبر دی اس سے مراد تجارتی سود ہی ہے جیسا کہ آج کل ہم دیکھ رہے ہے کہ معاشیات کا کوئی شعبہ خواہ وہ سرکاری ہو یا نجی، تجارتی

---

[1] امام مالک: الموطا کتاب الفرائض ص ۲۸۵۔ عبدالرحمٰن الجزیری: کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ج ۳ ص ۹۴ طبع بیروت

[2] ابن ماجہ: السنن کتاب الربا

ہو یا صنعتی۔ چھوٹے پیمانہ پر ہو یا بڑے پیمانہ پر، اُدھار ہو یا نقد، کسان کا ہو یا ملازم کا، ہر ایک سود کے اثرات لیے ہوئے ہے۔ اس حقیقت کو معاشیات کا ایک عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ سودی اثرات کس طرح ہر شعبہ میں پائے جاتے ہیں۔ جب پورے معاشرہ میں سودی زر گردش کر رہا کوئی متقی شخص بھی ـــــ خواہ وہ صرفی قرضہ یا سرمایہ کاری کے لیے قرضہ لے یا نہ لے۔ اس کے دھواں سے نہیں بچ سکتا۔
(اللھم احفظنا منہ)

ان تمام واقعات اور حوالہ جات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تجارتی قرضوں اور ان پر سود کا رواج زمانہ جاہلیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ میں بھی تھا۔ جب حرمت سود کی آیات نازل ہوئیں تو اس قسم کے سود کا لین دین حرام قرار دے دیا گیا۔

البتہ بلاسود تجارتی قرضے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں مروج تھے جیسا کہ ہند بنت عتبہ زوجہ ابو سفیانؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں عبد اللہ اور عبید اللہ رضی اللہ عنہما کے قرضہ سے ظاہر ہے۔

۶- اشتہار بازی

سرمایہ دارانہ نظام تجارت نے صارفین کے استحصال کے لیے جو حربے استعمال کیتے ہیں ان میں ایک نہایت مضر ذریعہ اشتہار بازی (Publcity & Advertisement) ہے اس اشتہار پر صنعتی حکومتیں مثلاً جاپان، امریکہ وغیرہ اخراجات کا ایک مستقل اشتہار بازی بجٹ (Publicity Budget) اپناتی ہیں جو بعض صورتوں میں پاکستان ایسے ترقی پذیر ملک کے ترقیاتی بجٹ (Development Budget) سے بھی زیادہ ہوتا ہے گو اس اشتہار بازی کو گرم

نئ تیار شدہ چیز یا مال کے صحیح ۔صحیح تعارف تک ہی معدود رکھا جائے اور صارفین کو اس کے فوائد بتائے جائیں یا یہ بتایا جائے کہ یہ نئ تیار شدہ چیز یا مال پہلے سے سستا اور زیادہ پائدار ہے اور اس کی خرید داری میں صارفین کے دام کم خرچ ہوں گے اور فائدہ زیادہ ہوگا تو ایسی اشتہار بازی کا جواز اسلام کے قانون تجارت سے مل سکتا ہے ۔ مگر جس طرح اور جس قسم کی اشتہار بازی ہمیں سرمایہ دارانہ نظام نے دی ہے اس کی اسلام کے قانون تجارت میں کہیں گنجائش نہیں ۔

اس اشتہار بازی کے سرمایہ دارانہ ممالک میں تمام قسم کے ذرائع ابلاغ و تشہیر مثلاً اخبار، رسائل ، ریڈیو ، ٹیلی وژن وغیرہ پر سرمایہ دار تاجروں کا غلبہ ہے وہ جس طرح چاہتے ہیں صارفین کو اپنے دام فریب میں گرفتار کر لیتے ہیں ۔

اشتہار بازی کے معاشی نقصانات اگر موجودہ نظام اشتہار بازی کا بغور جائزہ لیا جائے تو اس کے بے شمار معاشی نقصانات میں سے مندرجہ ذیل نمایاں نظر آتے ہیں ۔

۱۔ تجارتی اشتہار بازی معاشرہ کو خراج بناتی ہے ۔اس کی پس انداز کرنے کی عادات کو ختم کرتی ہے، اس کی فضول خرچی کی عادات کو تقویت پہنچا کر انہیں پختہ تر کر دیتی ہے ۔صنعتی ممالک نے گذشتہ نصف صدی کی اشتہار بازی کے ذریعے کم از کم اولاد آدم کی دو نسلوں کو خراج بنا دیا ہے ۔

۲۔ اشتہاروں کے ذریعے صارفین میں خواہ مخواہ احساس طلب پیدا کیا جاتا ہے تعیشات میں تو ان کا جادو اپنے زوروں پر ہوتا ہے ۔پہلے گراموفون پھر ٹیلی ویژن پھر وی سی آر اور پھر نہ جانے کیا کیا کچھ ؟ ان اشتہارات نے بنیادی ضروریات زندگی میں کن کن نئ اشیاء تعیشات کو شامل کیا ہے وہ کسی بھی ایسے شخص سے مخفی نہیں جو معاشیات کی ذرہ سوجھ بوجھ رکھتا ہے ۔کل تک لوگ گرمیوں میں اپنے

مکانات خس کے ذریعے ٹھنڈا کر لیتے تھے پھر سستے کولر ضرورت بن گئے، آج ائیر کنڈیشنرز ہیں جو سرمایہ داروں کی کوٹھیوں کے ہر کمرہ میں دو دو ہوں گے مگر اشتہارات نے غریب اور مزدور کا بھی دل للچا دیا ہے۔ اب معاشی اونچ نیچ کا فلسفہ نہ سوچا اور سنا جائے تو اور کیا کریں ؟

۳۔ اشتہارات نے طلب کو پیدا کر دیا مگر ذریعہ تسکین طلب یعنی زر تو اشتہارات فراہم نہیں کرتے۔ اب للچایا ہوا صارف کیا کرے؟ اگر وہ سرکاری ملازم ہے تو رشوت کے ذریعے رقم کمائے گا، اگر وہ بے روزگار ہے تو چوری چکاری کا ہتھیار استعمال کرے گا اگر مزدور ہے تو زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے گا جو پورا نہ ہوا تو ہڑتال کرے گا یا کام چوری کرے گا جس کا نقصان پوری قوم بھگتے گی۔

لارڈ جان مینارڈ کینز Lord John Maynord Keynes نے سرمایہ داروں کو یہ پٹی پڑھائی تھی کہ اشتہارات کے ذریعہ زیادہ طلب پیدا کرو جس کے لیے زیادہ رسد پیدا کرو اور یوں ترقی کرو۔ مگر یہ فلسفہ کامیاب نہیں ہوا بلکہ طلب کی بھی ایک حد ہوتی ہے جس کے لیے رسد کی ایک حد ہو گی جب تک یہ دونوں اپنی قدرتی طاقتوں کے ذریعے گھٹتی بڑھتی رہیں اس وقت تک کارخانہ دار اور صارفین دونوں کی بھلائی ہے ورنہ جب اشتہارات طلب اور رسد کا توازن بگاڑ دیں گے تو بات کساد بازاری تک پہنچ جاتی ہے۔ اسلام نے یہی درس دیا ہے کہ بے جا طلب بڑھانا کسی طرح بھی قرین مصلحت نہیں اشتہارات کے ذریعے جب طلب کو بڑھا دیا جاتا ہے تو پھر اتنی رسد لانے کے لیے حیلے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جن میں زیادہ کارگر یہ ہوتا کہ انسانوں کی جگہیں مشینوں سے کام لیا جائے۔ اور پرانی مشینوں کی جگہ نئی مشینیں تبدیل کر دی جائیں۔ گو اس طریقہ سے رسد میں ایک مختصر مدت تک رسد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے مگر اس ذریعہ کتنے ہی مزدور بے روزگار ہو جاتے ہیں چلیے یہ قربانی بھی گوارہ مگر اس طرح بھی رسد کا برابر بڑھاتے جانا ناممکن ہے کیونکہ مشینوں کے لیے

خام مواد کہاں سے آئے؟ زمین سال میں کتنی بار خام مال پیدا کرے گی؟ اور زیادہ پیداوار کے لیے قابل کاشت یا قابل استعمال زمین میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی ایک حد ہے لہٰذا پیداوار کم ہوگی اور طلب زیادہ رہے گی، قیمتیں چڑھیں گی، صارفین کا استحصال ہوگا۔

اشتہار بازی کے معاشرتی نقصانات | اشتہار بازی کے بے شمار معاشرتی نقصانات میں سے چند ایک جو نمایاں ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ اشتہار بازی نے بہت سی سماجی برائیوں کو جنم دیا ہے۔ زندگی کی سادہ اقدار دم توڑ رہی ہیں اور ان کی جگہ تکلفات اور تعیشات لے رہے ہیں۔ آج جتنی چادر دیکھیں اتنے پاؤں پھیلانے کا اصول بھلایا جا رہا ہے، پھر ان تکلفات کو پورا کرنے کے لیے رقم کے حصول کے وہ طریقے اختیار کیے جاتے ہیں جن سے معاشرتی تعلقات پر بُرے اثرات پڑتے ہیں مثلاً جو شخص مجھ سے اپنے تکلفانہ اخراجات پورے کرنے کے لیے رشوت لے گا اس کی میرے دل میں محبت کیونکر ہوگی؟۔ اور جو اپنی تعیشات کو پورا کرنے کے لیے میرے گھر رات کو گھس کر میرا حلال طریقہ سے کمایا ہوا اثاثہ اٹھا لے جائے گا میں اُسے اپنا دوست کس طرح کہوں گا۔

۲۔ اشتہار بازی نے افراد میں مسابقت کا جذبہ پیدا کیا ہے جو بڑھ کر رقابت کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش کا وہ جذبہ جو اشتہارات نے پیدا کیا ہے اس کی تسکین کے لیے چوری اور ڈاکہ روزمرہ کے معمول بن گئے ہیں دنیا کے امیر ملک امریکہ میں ۱۹۸۰ کے سال میں ایک مرتبہ بجلی کی روشنی گئی تو اس روشنی میں پروان چڑھنے والے مہذب ڈاکوؤں نے نیویارک شہر کے بڑے بڑے تجارتی مراکز لوٹ لیے تھے۔ کیا وہ اپنی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم تھے؟ نہیں

تعیشات کی تسکین کے لیے زیادہ سے زیادہ ڈالرز کی تلاش میں تھے جو اپنی کمائی سے نہ مل سکے تو چوری کے ذریعے کمانا چاہتے تھے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں۔ پاکستان کے بڑے شہروں کراچی، لاہور، راولپنڈی میں شہریوں کے گھروں میں ڈاکہ ڈالنے والے کون ہوتے ہیں؟ غریب کسان یا مزدور؟ نہیں زمینداران بڑے سرکاری عہدہ داران اور سرمایہ داران کے صاحبزادگان ہوتے ہیں۔ غریب کسان یا مزدوریا ان کے افلاس اور دکھ کے مارے بچے نہیں ہوتے۔

اشتہارات نے "ھل من مزید" اور خوب سے خوب تر کی تلاش کا چسکا ڈالا تھا وہ انہیں ڈاکو بنا گیا۔

۳۔ تجارتی اغراض کے لیے اشتہار بازی کا جو ناٹک ٹیلی ویژن کے پردہ سیمیں پر رچایا جاتا ہے اور اس کی نقالی جس طرح ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اور بالخصوص سکولوں کے چھوٹے بچے اور بچیاں کر رہے ہیں اس کے مہلک نتائج گو آج بھی سامنے ہیں مگر مستقبل میں ان نتائج کی ہلاکت خیزی میں شدت اور وسعت پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

مظلوم عورت کی تقدیس ہر تجارتی اشتہار میں پامال کی جاتی ہے اور اس کے معاشرتی اخلاق پر بہت مضر اثرات پڑ رہے ہیں۔

اشتہار بازی کے لیئے نہایت گھٹیا قسم کا لٹریچر چھپ رہا ہے جو ہمارے معاشرتی اخلاق کو گھن کی طرح چاٹ رہا ہے۔

اشتہار بازی اسلام کے قانون تجارت میں

اسلام کے حکیمانہ قانون تجارت نے جب اشتہار بازی ایسے استحصالی حربہ کی مذمت کی ہے تو [illegible] مذکورہ بالا تمام معاشی اور [illegible] نقصانات [illegible] تجارتی مال اور

تجارتی مصنوعات کی ایسی مہذب تشہیر کی اجازت تو اسلام کا قانون تجارت دے گا، جس تشہیر کا مقصد سرمایہ داروں کی تجوریاں بھرنے کے لیے صارفین کا استحصال نہ ہو بلکہ صارفین کی بہتری اور خیر خواہی ہو کہ وہ بہتر اور سستی اشیاء و خدمات خرید سکیں۔ مگر جس قسم کی اشتہار بازی آج کل سرمایہ دارانہ نظام کے ہدایتکاروں کی رہنمائی میں چل اور بڑھ رہی ہے اسلام کا قانونِ تجارت اس کی اجازت نہیں دے گا۔ اسلام کے قانونِ تجارت نے موجودہ قسم کی اشتہار بازی کی کیوں مذمت کی ہے۔ اس کی وجوہ کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ سرمایہ دارانہ نظام اشتہار بازی کے ذریعے تجار، کارخانہ دار صنعت کار اور صنعتی ممالک صارفین اور ترقی پذیر ممالک کا معاشی استحصال کرتے ہیں اور اسلام کے قانون تجارت میں ایسا استحصال اپنی تمام تر صورتوں میں حرام ہے اور یہ ممانعت انسانی عقل بھی تسلیم کرتی ہے۔ لہٰذا اس کے لیے کسی نقلی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔

۲۔ سرمایہ دارانہ نظام اشتہار بازی معاشرہ کو راہ اعتدال سے ہٹا کر فضول خرچ بناتا ہے اور فضول خرچی اسلام کے قانونِ تجارت میں جائز نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ [1]

ترجمہ: اور کھاؤ اور پیو مگر فضول خرچی نہ کیا کرو کیونکہ وہ (ذات کریم) فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ایک دوسرے مقام پر یوں فرمایا۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا [2]

---

[1] سورۃ الاعراف (۷): ۳۱۔

[2] سورۃ الاسرا: (۱۷): ۲۶-۲۷

ترجمہ: اور یونہی فضول نہ اُڑاؤ، بلاشبہ فضول اُڑانے والے تو شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان تو اپنے پروردگار کا ناشکرا ہی ہوتا ہے۔

ایک اور جگہ پر اخراجات میں راہِ اعتدال اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذٰلک قواما [1]

ترجمہ: اور وہ (اللہ کریم کے بندے تو) ایسے ہوتے ہیں کہ جب خرچ کرنے لگیں تو نہ فضول خرچ کرتے ہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ (ان دونوں کے درمیان) سیدھی راہ اختیار کرتے ہیں

۳۔ اشتہارات کے ذریعے انسانوں کو تعیشات کا دلدادہ بنایا جارہا ہے، اور ہمیں تو فکر اس اُمت مسلمہ کی ہے جس کا مزاج ہی مجاہدانہ ہے مگر آج وہ اس قدر تکلفات اور تعیشات کی دلدادہ بن گئی ہے کہ اس کی وہ تمام سخت کوشی اور سخت جانی کی صفات محو ہو رہی ہیں۔ جن پر اس کے جہاد زندگانی کی بنیاد روزِ اول ہی سے رکھی گئی تھی۔ آج اُمت کا وہ حصہ جو تیل کی دولت سے مالا مال ہے وہ سرمایہ دار صنعتی ممالک کے پیدا کردہ سامان تعیشات کا سب سے بڑا خریدار بن چکا ہے۔ اس عیش کوشی اور آرام پسندی کے مہلک نتائج کیا ہیں؟ اس کا جواب بیت المقدس، جولان کی پہاڑیوں اور غزہ کے شہر سے پوچھ لیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عرب نوجوانوں کو ذرا آسان پسند محسوس کیا تو اُنہیں دھوپ میں کام کرنے اور سخت جان بننے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا؛

الشمس حمام العرب۔

ترجمہ: سورج عربوں کا حمام ہے۔

---

[1] سورۃ الفرقان (۲۵): ۶۷

یعنی وہ دھوپ میں بھی اس قدر محنت کیا کریں کہ پسینہ سے شرابور ہو جایا کریں۔ ایک دوسرے مقام پر اس تلقین کو کیسے پر اثر انداز میں دہرایا۔

اخشو اشنوا فان النعم لا تدوم۔

ترجمہ: سخت جان بنو، یہ نعمتیں تو ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں۔

یہ سادگی کو اپنانے اور تعیشات سے دور رہنے کی ترغیبات اس چشمہ صافی سے نکلی ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک ارشاد سے پھوٹا ہے جو آپ نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

ایاك والتنعم فان عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین [۱]

ترجمہ: اپنے آپ کو ناز و نعمت سے بچاتے رہنا، یقیناً اللہ کریم کے بندے ناز و نعمت پروردہ کبھی نہیں ہو سکتے۔

۴۔ اشتہار بازی کے ذریعے سرمایہ داران کارخانہ داران اور تاجران صارفین اور خریداروں کو دھوکہ دیتے ہیں جس کے ہتھیار غلط بیانی، غلط تشہیر اور دروغ گوئی ہیں اسلام کے قانونِ تجارت نے صارفین کو اس انداز میں دھوکہ دینے سے سختی سے منع کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد اس مکروہ حرکت پر دلیل ہے جس میں آپ نے اس شخص کو سخت تنبیہ فرمائی جو گیلا غلہ خشک غلہ کے نیچے رکھ کر بیچ رہا تھا

من غش فلیس منا [۲]

ترجمہ: جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔ مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات بغیر کسی شک وشبہ کے کہی جا سکتی ہے کہ اسلام کا عادلانہ قانون تجارت سرمایہ دارانہ نظام کے طریقہ اشتہار بازی کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ یہ صارفین کے معاشی اور معاشرتی استحصال کا بہت بڑا سبب ہے

---

[۱] رواہ احمد بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب فضل الفقراء، فصل ثالث حدیث نمبر۔

[۲] مسلم بن حجاج القشیری، صحیح، ج۔ کتاب الایمان

باب

تجارتِ خارجہ

تجارت خارجہ کی ضرورت: جس طرح ایک فرد اپنی بقاء اور ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے دوسرے افراد معاشرہ کا محتاج ہے اسی طرح ایک ملک (وہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی) اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے دوسرے ممالک کا محتاج ہے اور اس کی مصلحت خالق کائنات نے غالباً اس میں رکھی ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک میں روابط استوار رہیں کیونکہ جب تک وہ ایک دوسرے کی اشیاء وخیرات کے محتاج رہیں گے، وہ ایک دوسرے سے امن اور دوستی کی فضا کے خواہاں ہوں گے۔

تجارت خارجہ کی خالصۃً معاشی وجوہ جو معیشت دان بتاتے ہیں ان کے مطابق مختلف ممالک میں تجارت علاقائی تقسیم کار یعنی مختلف ممالک مختلف اشیاء تیار کرنے میں تخصیص (Specialization) حاصل کر لیتے ہیں۔ آب وہوا، قدرتی وسائل اور لوگوں کی مہارت میں اختلاف کی وجہ سے مختلف اشیاء مقابلۃً زیادہ سستی لاگت سے پیدا کر لیتے ہیں اور اس طرح اپنے ہاں سستی پیدا ہونے والی اشیاء کا دوسرے ممالک میں مقابلۃً زیادہ سستی لاگت سے پیدا ہونے والی اشیاء سے تبادلہ کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں [1]

---

[1] معیشت دانوں نے اس کا نام قانون تقابلی مصارف (Law of Comparative Cost) ... بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

مثلاً جن ممالک میں زرخیز زرعی زمینیں بافراط ہیں وہ زرعی اجناس پیدا کرنے میں تخصیص حاصل کر لیتے ہیں۔ جن ممالک میں معدنیات مثلاً لوہا، کوئلہ جیسی دھاتیں بافراط ہیں وہ مشینری تیار کرنے میں تخصیص حاصل کر لیتے ہیں۔ کسی ملک کے باشندے کوئی خاص مہارت حاصل کر لیتے ہیں اور یوں دوسرے کی اشیاء سے اپنی تیار کردہ اشیاء کا تبادلہ کر کے فائدہ اٹھاتے ہیں جس کا سبب تجارت خارجہ بنتی ہے۔

تجارت خارجہ کے نظریات

جب ہم تجارتی نظریات کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو تجارت خارجہ کے بارے میں دو نظریے واضح طور پر ملتے ہیں۔

۱۔ آزادانہ تجارت کا نظریہ

۲۔ محفوظ تجارت کا نظریہ

۱۔ آزادانہ تجارت کا نظریہ: آزادانہ تجارت کے مؤیدین کی رو سے تجارت آزادانہ ہونی چاہیئے لہٰذا اندرونی اور بیرونی تجارت کی تمام پابندیاں از قسم کوٹہ سسٹم، تجارتی محصول، محصول چنگیاں، تجارتی ٹیکس وغیرہا ختم ہونا چاہیئے تاکہ مختلف دنیا کی پیداواری اشیاء اور اجناس جو فاضل (Surplus) ہیں وہ بلا قید دنیا کے دیگر ممالک تک سفر کریں اور یوں دنیا میں قحط اور قلت کے افسوس ناک مناظر اور مواقع پیدا ہی نہ ہوں۔

گذشتہ حاشیہ ( ) رکھا ہے یعنی بعض ممالک بعض اشیاء اپنے ہاں پیدا کریں تو انہیں زیادہ مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں بہ نسبت ان مصارف کے جو وہ دوسرے ممالک سے وہی اشیاء درآمد کر کے برداشت کرتے ہیں۔

۲۔ محفوظ تجارت: محفوظ تجارت کے نظریہ کے مؤیدین کے مطابق تمام ممالک اپنی مصنوعات، اپنی پیداوار اور اپنے وسائل بروئے کار لانے کے لیے بیرونی تجارت پر انحصار نہ کریں بلکہ اس پر چند خاص قسم کی پابندیاں لگائیں تاکہ اس ملک کے شہری زیادہ سے زیادہ اپنے ملک کی مصنوعات اور پیداوار سے استفادہ کریں تاکہ ان کے ملک کی مصنوعات اور دیگر پیداوار بڑھے اور وہ ملک ترقی کرے اور یوں وہ عوام اپنے ملک کی معاشی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔

اسلام آزادانہ تجارت کا حامی ہے

اسلام کی نگاہ میں تمام دنیا ایک گھر کی مانند ہے اور تمام انسان ایک کنبہ کے افراد کی طرح ہیں، اسلام چاہتا ہے کہ تمام دنیا کی پیداوار جو دراصل اللہ کریم کی نعماء اور برکات پر مشتمل ہے۔ تمام انسانوں کیلئے مشترک اور عام ہو۔ البتہ موجودہ حالات میں جب کہ اسلام کی عالمی برادری کے پیغام بردار اور اس کو عملی جامہ پہنانے والے ہی اپنے اپنے دائرہ میں سمٹ چکے ہیں اور چند کلیوں پر قانع ہو گئے ہیں اپنے تنگ داماں بھر کر بیٹھ گئے ہیں، جنہیں چمن عالم کا مالی اور نگہبان بنایا گیا تھا وہ صرف غم آشیاں میں مبتلا ہیں، ان کی بلا کو بھلا چمن برباد ہو یا غیروں کی ملکیت میں چلا جائے۔ ان حالات میں اسلام کی خارجہ پالیسی مندرجہ ذیل دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔

۱۔ عالم اسلام میں مکمل تجارتی اتحاد ہو۔

۲۔ دیگر اقوام عالم کے ساتھ مسلمان ممالک یا مسلمان تجار کا تجارتی لین دین اور پیداواری منافع جات اور علمی اور فنی کمالات کا تبادلہ بالمثل ہو گا۔

آئیے ذرا اس اجمال کی تفصیل کرتے ہیں۔

۱۔ عالم اسلام میں تجارتی اتحاد: عالم اسلام کے تمام ممالک اور شہر اپنی تمام تر جغرافیائی حدود اور فاصلوں کے باوجود ایک امت، ایک قوم اور ایک جماعت ہیں۔ یہ سمندروں کے فاصلے۔ کوہستانی سلسلے اور زمین کی دوریاں انہیں ایک وحدت سے تعددمیں نہیں بدل سکتیں۔ اسلام کا نظریہ تجارت خارجہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ ان کے درمیان کسی قسم کی تجارتی پابندیاں نہ ہوں، ان کی پیداوار اور اشیاء بلا روک ٹوک عالم اسلام کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لائی اور لے جائی جاسکیں یہ تمام ایک ہی کنبہ کے افراد ہیں جنہوں نے ایک دوسرے کی کفالت کرنی ہے۔ اس بارے میں چند نظائر ملاحظہ ہوں۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ [1]

ترجمہ: اور یقیناً تمہاری یہ امت تو ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں، لہٰذا ڈرتے رہا کرو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [2]

ترجمہ: بلاشبہ مؤمنین تو بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے ان بھائیوں کے درمیان (اگر کبھی جھگڑا ہو ہی جائے) صلح کراتے رہا کرو۔ اور اللہ کریم سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ملاحظہ ہوں۔

المسلم اخوالمسلم، لا یظلمه ویسلمه ومن کان

---

[1] سورۃ المومنون (۲۳): ۵۲

[2] سورۃ الحجرات (۴۹): ۱۰

فی حاجۃ اخیہ کان اللّٰہ فی حاجتہ [1]

ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ تو اس پر خود ظلم کرتا ہے اور نہ اسے کسی ظالم کے مقابلہ میں بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت براری میں کوشاں ہوگا اللہ کریم اس کی حاجت پوری کریں گے۔

المؤمن للمومن کالبنیان یشدّ بعضہ بعضاً [2]

ترجمہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے دیوار (کی اینٹوں) کی طرح ہے جسمیں ایک جزء دوسرے جزء کو تقویت پہنچاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر وحدت کا نقشہ ان خوبصورت اور وجدان انگیز الفاظ میں کھینچا ہے۔

تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکیٰ عضو منہ تداعیٰ لہ سائر جسدہ بالسھر والحمّیٰ [3]

ترجمہ: تو مؤمنوں کو آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے آپس میں محبت کرنے اور آپس میں لطف و احسان کرنے میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا کہ جب اس (جسم) کے کسی ایک عضو کو تکلیف ہوئی تو سارا جسم بیداری اور تکلیف میں اس کا ہم نوا بن جاتا ہے۔

وحدت امت کا یہ پاکیزہ درس امت مسلمہ کو اس حقیقت کی تبلیغ کرتا ہے کہ تمام ممالک اسلامیہ اور ان کے مختلف شہر دراصل ایک ہی وحدت کی کڑیاں ہیں۔ ان کی

---

[1] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، فصل اول، حدیث نمبر ۱۱

[2] متفق علیہ، حوالہ بالا: حدیث نمبر ۸۷

[3] متفق علیہ، حوالہ بالا حدیث نمبر ۔۔

مختلف پیداواریں اور مصنوعات تمام عالم اسلام کے لیے افادیت کی چیزیں ہیں اور فاضل عاملین پیدائش (Factors of production) اور ذرائع پیداوار ان بلاد اسلامیہ کے درمیان بلا روک ٹوک منتقل ہوتے رہیں اور اس طرح تمام ممالک اسلامیہ کے مکینوں کی ضروریاتِ زندگی باآسانی اور بافراوانی پوری ہوتی رہیں۔

علاوہ ازیں جو اسلامی ممالک امیر ہیں، تیل کی دولت سے مالامال ہیں۔ جن کی فالتو دولت اور ذرائع دولت یورپی ممالک کے بنکوں میں دشمنانِ اسلام کی ترقی اور مزید دولت کا ذریعہ بن رہے ہیں۔ عالمی اور عربی ممالک کے اندازوں کے مطابق ۱۹۷۵ میں اس فالتو دولت کی مقدار ۷۰ بلیون ڈالر تھی۔ یہ فاضل مال تجارت کی راہ سے جب عالم اسلام کے غریب ممالک میں آئے گا تو ان ممالک کی معاشی پسماندگی کا علاج ہوسکتا ہے۔ اسی طرح اسلامی ممالک آپس میں فنی اور تکنیکی تعاون بڑھا سکیں گے پھر وہ اس قابل ہوجائیں گے کہ سرمایہ دار مغرب اور اشتراکی مشرق سے بے نیاز ہوجائیں، اپنا اسلحہ خود تیار کریں۔ اپنے امورِ حیات کی تنظیم خود کریں، اپنے زیرِ زمین خزانے خود نکالیں اور ان سے خود ہی مستفید ہوں اپنے سمندروں کو اپنے ہی اساطیل سے عبور کریں گے اور یوں ایک نئی صبح طلوع ہوگی جو اس قیادت اور سرفرازی کو واپس لائے گی جسے مدت ہوئی عالم اسلام کھو چکا ہے۔

۲۔ غیر اسلامی ممالک سے تجارتی پالیسی:

اس پالیسی کے رہنما اصول مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ اسلام تمام انسانوں کے لیے پیغام رحمت و عدل ہے۔ اس کی نگاہ میں ساری مخلوق اللہ کریم کا کنبہ اور سارے انسان اللہ کریم کے بندے اور آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہیں۔ تمام انسان معاشی حاجات میں برابر ہیں کسی امیر کو کسی غریب پر کوئی برتری نہیں۔ قرآن مجید کا یہ ارشاد جہاں انسانی رنگ و نسل کی برابری کا درس دیتا ہے وہاں معاشی حاجات میں ان کی برابری کا بھی سبق دیتا

ہے۔ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً [1]

ترجمہ: اسے انسانو! اپنے اس پروردگار سے ڈرتے رہا کرو جس نے تم سب کو ایک جان (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر ان دونوں کے ذریعے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارکہ میں فرمایا۔

کلکم بنو آدم و آدم خلق من تراب [2]

ترجمہ: تم سارے کے سارے آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔

اسلام کا نظام معاشی عدل ان نصوص کی روشنی میں تمام انسانوں کے درمیان معاشی تعلقات کا داعی ہے اور تجارت خارجہ اس کا مظہر اتم ہے۔

۲ - ان تجارتی تعلقات کی بنیاد محض انسانی ہمدردی، انسان کی ضروریات کی تکمیل اور اس کی معاشی فلاح ہے۔ اسلام کا نظام معاشی عدل تمام ملکوں، قوموں اور انسانوں کو دوسروں کے ساتھ معاشی انصاف ہمدردی اور خیر خواہی کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام جو کہ دین فطرت ہے۔ بخوبی جانتا ہے کہ جس طرح ایک انسان دوسرے انسان کے تعاون کے بغیر اپنی معاش کا سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتا اسی طرح ایک ملک کی دوسرے ملکوں کے تعاون کے بغیر معاشی بقا ممکن نہیں۔ اسلامی

---

[1] سورۃ النساء (۴): ۱

[2] رواہ ابن کثیرؒ فی تفسیرہ، سورۃ الحجرات

فقہاء کی اس سلسلہ میں رائے کتنی حقیقت پسندانہ ہے۔

ان الناس یحتاج بعضهم الی بعض ولا تمکن التعایش مالم یتظاهروا[1]

ترجمہ: یقیناً تمام انسان آپس میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور انکی حاجت براری اسوقت تک ممکن ہی نہیں جب تک وہ ایک دوسرے کا تعاون نہ کریں۔

داعی عدل وانصاف اور تعاون باہمی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الخلق عیال الله فأحب الخلق الی الله من احسن الی عیاله[2]

ترجمہ: ساری مخلوق اللہ کریم کا کنبہ ہے، لہٰذا اللہ کریم کو اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ وہ محبوب ہے جو اللہ کریم کے کنبہ سے زیادہ اچھا سلوک کرے۔

اس معاشی تعاون اور خیر خواہی کی بنیاد کیا ہوگی، اسلام کے ازلی اور ابدی اصولوں میں اس کا جواب ملتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[3]

ترجمہ: نیکی اور پرہیزگاری کے معاملات میں آپس میں تعاون کیا کرو البتہ گناہ گاری اور (کسی پر) زیادتی کے معاملہ میں آپس میں تعاون نہ کیا کرو۔

۳۔ گو ساری زمین اللہ کریم کی زمین ہے اور اسلام ملکی پابندیوں اور حدود کا مذہب نہیں۔ جہاں جہاں کوئی مسلمان بستا ہے وہ اسلام کی زمین ہے، ان مسلمانوں کی معاشی حاجات کی تکمیل کرنا اسلام اپنا فرض سمجھتا ہے وہ یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کی زمین کے ایک حصہ پر انسان دولت کا بے جا استعمال کریں۔ پیداوار کو سمندر میں پھینک کر ضائع

---

[1] امام راغب اصفہانیؒ: الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ: مطبع الوطن، قاہرہ، ۱۲۹۹ھ، ص ۱۴۷

[2] ولی الدین: مشکوٰۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، حدیث نمبر ۵۲

[3] سورۃ المائدہ: ۲

اکردیں اور دوسرے کسی حصہ پر انسان بھوکوں مر رہے ہوں۔ اسلام چاہتا ہے کہ جو ملک کسی شئے یا خدمت کی پیداوار یا صفت میں تخصیص حاصل کر لے وہ اس کے فوائد دوسروں تک پہنچائے لیکن وہ زمین جس پر کم نصیبی سے ایسے انسان آباد ہوں جنہیں نعمت اسلام نصیب نہ ہو سکی ہو وہ کفار ہیں، ان کی زمینیں اور آبادیاں غیر مسلم ممالک کہلاتے ہیں۔ ان میں سے بعض ممالک مسلمانوں کے ساتھ حالت امن اور صلح سے ہیں اور بعض حالت جنگ میں ہوں گے۔ ان دونوں قسم کے ممالک کے بارے میں اسلام کی تجارتی پالیسی کیا ہوگی۔ قرآن مجید نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا ہے۔

لا ينهكم الله عن الّذين لم يقاتلوكم في الدّين ولم يخرجوكم من ديارکم ان تبرّوهم وتقسطوا اليهم ط انّ الله يحبّ المقسطين۔ انّما ينهكم الله عن الّذين قاتلوكم في الدّين واخرجوكم من ديارکم وظاهروا على اخراجكم ان تولّوهم ج ومن يّتولّهم فاولٓئك هم الظّلمون [۱]۔

ترجمہ: اللہ کریم تمہیں ان لوگوں سے نہیں منع کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے ہوں اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا ہو کہ تم ان سے بھلائی اور انصاف کا معاملہ نہ کرو (بلکہ کرو کیونکہ) اللہ کریم تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ کریم تو تمہیں ان لوگوں سے روکتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں اور جنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے دیس نکالا پر وہ مجتمع ہو گئے کہ تم ان سے دوستی کرو اور جو ایسے کافروں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہوں گے۔

---

[۱] سورۃ الممتحنۃ: ۸-۹

ان آیات میں واضح اشارہ ہے کہ اسلام کا قانون تجارت مسلمانوں کو صرف ان اقوام عالم سے تجارتی تعلقات استوار کرنے سے منع کرتا ہے جو مسلمانوں کے دین کے دشمن ہوں اور حالتِ جنگ میں ہوں، باقی سب سے تجارتی تعلقات کی اجازت ہے اور ان تک مسلمانوں کی پیداواروں اور معاشی ترقیات کا حصہ پہنچانے کی ترغیب ہے۔

۴۔ البتہ مذکورہ بالا قانون کی مستثنیات بھی ہیں اسلام کا رحیمانہ قانون تجارت اس سے بھی آگے قدم بڑھا کر احسان کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ اور تاریخ اسلام میں ایسے بھی واقعات ہیں جہاں حربی کفار کے ساتھ تجارت کر کے ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا گیا ہے۔ امام محمدؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا واقعہ نقل کیا ہے جو بین الاقوامی تجارت میں اسلامی معاشی عدل سے بڑھ کر معاشی احسان کی دلیل ہے۔ لکھتے ہیں۔

بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس مئة دینار الی مکة حین قحطوا، وأمر بدفع ذٰلك الی ابی سفیان بن حرب وصفوان بن امیة لیصرفا علی فقراء اهل مکة [1]

ترجمہ: جب اہل مکہ قحط کا شکار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے پانسو درہم بھیجے اور قاصد کو حکم دیا کہ یہ دراہم ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ (سردار ان قوم) کو دیے جائیں تاکہ وہ انہیں مکہ مکرمہ کے محتاجوں میں بانٹ دیں۔

یہ معاشی احسان اس وقت کیا گیا جب قریش مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کے پیاسے تھے اور دین کے بدترین دشمن تھے۔

---

[1] محمد بن حسن الشیبانی: شرح کتاب السیر الکبیر، قاہرۃ: ۱۹۵۷، ج ۱، باب صلة المشرک ص ۹۶

حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ یمامہ کے سردار تھے، جب مسلمان ہوئے اور مدینہ منورہ سے واپس ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ میں سے گذرے تو اہل مکہ نے ان پر آوازے کسے اور اسلام قبول کرنے پر دلخراش طعنے مارے۔ اس پر انہوں نے جوش میں آکر کہا" اب جب تک سردار کریم صلی اللہ علیہ وسلم حکم نہیں فرمائیں گے۔ یمامہ کی گندم تمہارے شہر مکہ نہیں درآمد ہو سکے گی"۔ نتیجۃً مکہ مکرمہ میں قحط کے حالات پیدا ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر ہوئی تو آپ نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو گندم برآمد کرنے کا حکم دیا[۱]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک بار مدینہ منورہ کی کھجوریں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو ارسال فرمائیں اور ان کے بدلے مکہ مکرمہ کی کھالیں درآمد کیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کفار مکہ مسلمانان مدینہ منورہ کے جان کے دشمن تھے[۲]

۵۔ بین الاقوامی تجارت میں امیر اور ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کا معاشی استحصال کسٹم کے ظالمانہ قوانین کے ذریعے کرتے ہیں۔ وہ درآمد اور برآمد کنندگان پر بھاری ٹیکس (Custam Duties) لگاتے ہیں جو کہ بین الاقوامی سطح پر معاشی انصاف کے حصول کی راہ کا بڑا پتھر ہیں۔ اسلام نے اس بھاری پتھر کو روز اول ہی سے ہٹا دیا جب اس نے ساری مخلوق کو اللہ کریم کا کنبہ قرار دیا (الخلق عیال اللہ) جیسا کہ شروع میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

البتہ جب دوسرے ممالک مسلمان تاجروں پر ٹیکس لگائیں تو اسلام کا قانونِ تجارت اسلامی ریاست کو صرف اسی مقدار میں ان ممالک کے تجار پر ٹیکس لگانے

---

[۱] صحیح بخاری، باب وفد بنی حنیفہ میں حضرت ثمامہؓ کا پورا واقعہ مذکور ہے۔

[۲] محمد بن حسن الشیبانیؒ: حوالہ بالا۔ باب صلۃ المشرک

کی اجازت دیتا ہے، زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے گورنر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس سلسلہ میں جاری کردہ ہدایت نامہ (Directive) اس کی قانونی نظیر ہے۔

خذ انت منهم كما يأخذون من تجار المسلمين [1]

ترجمہ: ان (کفار تاجروں) سے اتنا ہی (محصول) وصول کیجئے جتنا وہ (ان کے حکام) مسلمان تجار سے وصول کرتے ہیں اس ہدایت نامہ میں ایک اور نکتہ بھی صاف نظر آرہا ہے کہ مسلمانوں کے خلیفہؓ کا اس ٹیکس کے لیے اجازت دینا بھی بین الاقوامی سطح پر معاشی عدل کی ترویج کے لیے ہے جب مسلمان حکومتیں کفار پر اتنا ہی ٹیکس لگائیں گی جتنا وہ لگاتے ہیں تو ایک طرف مسلمان تاجروں کو تحفظ نصیب ہوگا اور دوسری طرف اسلامی ریاست کو ایک فلاحی ٹیکس ذریعہ آمدن مل جائے گا۔ تیسری طرف سب اہم فائدہ یہ ہوگا کہ کفار بھی اپنے ٹیکس کی مقدار کم رکھیں گے تاکہ مسلمان ممالک بھی ان کے تاجروں پر ٹیکس کی مقدار کم لگائیں۔ اس طرح اسلام کا قانون تجارت بین الاقوامی سطح پر معاشی انتقام (Economic Retaliation) کی بجائے معاشی عدل (Economic Justice) قائم کرتا ہے۔

۶۔ جس غیر مسلم ملک کی حکومت اسلامی ریاست کے تجار کے اموال تجارت پر کوئی محصول نہیں لیتی۔ اسلامی ریاست بھی اس کے تجار سے کچھ نہیں لے گی۔ صاحب ہدایہؒ نے اس کی نظیر یوں بیان کی ہے۔

ان كانوا لا يأخذون اصلا لا يأخذ [2]

ترجمہ: اگر وہ کچھ نہیں لیں گے تو وہ (ہمارا عاشر۔ درآمدی برآمدی ٹیکس وصول کرنے والا

---

[1] ابو یوسفؒ: کتاب الخراج، مطبعۃ سلفیۃ، قاہرۃ، ۱۳۸۲ھ۔ ص ۱۳۵
[2] مرغینانی: الہدایہ، کتاب الزکاۃ۔ باب فی من یمر علی العاشر

بھی کچھ نہیں لے گا اس سلسلہ میں اسلام کا ابدی قانون قرآن کے الفاظ میں یوں ہے۔

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔

ترجمہ: نہ کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

تجارت خارجہ کے چند ضوابط

غیر مسلم ممالک سے کسی اسلامی ملک کی تجارت خارجہ مندرجہ ذیل ضوابط کی پابند ہوگی۔

۱۔ اسلامی ملک کی حکومت یا شہری غیر مسلم ممالک سے محرمات میں سے کوئی پیداوار (مثلاً پوست، بھنگ، افیون) یا ممنوعات (مثلاً شراب، الکوحل، عریاں اور اخلاق سوز فلمیں) اور اجناس (مثلاً بت۔ سور) نہیں درآمد کریں گے نبی اسلام نے محرمات کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

انّ اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام[1]

ترجمہ: بلاشبہ اللہ کریم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب، مردار، سور اور بتوں کی تجارت کو حرام قرار دیا ہے۔

۲۔ اسلامی ملک کی حکومت یا شہری غیر مسلم کو کوئی ایسی چیز یا پیداوار برآمد نہ کریں گے۔ جس سے اسلامی ریاست کو خطرہ ہو مثلاً اسلحہ، اسلحہ بنانے کا خام مواد، اسلحہ ٹیکنالوجی وغیرہ۔

۳۔ تمام تجارتی معاہدات جو شرعاً درست ہوں گے اور غیر مسلم ممالک سے کیے جائیں گے

---

[1] متفق علیہ، بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، فصل اول، حدیث نمبر ۸

انہیں ضرور پورا کیا جائے گا۔

اس بارے میں قرآن مجید کا دائمی اور جامع قانون دیکھیے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ[1]

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے عہدوں کو پورا کیا کرو۔

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا[2]

ترجمہ: اور عہد و پیمان کو پورا کیا کرو بے شک عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اس طرح کے معاہدات کے تحت اسلامی ریاست دوسرے ممالک کے تاجران کو راہداری اور سلطنت میں قیام کی اجازت دیگی اور ان ممالک سے یہ سہولتیں اپنے تجار کے لیے حاصل کرے گی۔

۴۔ تجارتی محصولات (Custam Duties) سامان تجارت پر نہیں بلکہ تجارت پر لگائے جاتے ہیں۔ اگر تاجر اسلامی ریاست کا شہری ہو۔ مسلمان ہو یا ذمی۔ اسے کسی درآمدی برآمدی محصول (Export & Import Duty) کی ادائیگی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس قانون کے بارے میں ابو عبیدؒ نے ایک نظیر نقل کی ہے۔

عن ابراهيم بن مهاجر قال: سمعت زياد بن حدير يقول: انا اول عاشر عشر في الاسلام قلت: من كنتم تعشرون؟ قال: ما كنا نعشر مسلما ومعاهدا، كنا نعشر نصارى بني تغلب[3]

---

[1] سورۃ المائدۃ (۵) : ۱

[2] سورۃ الاسراء (۱۷) : ۳۴

[3] ابو عبید قاسم بن سلامؒ: کتاب الاموال، قاہرہ، نمبر مسئلہ ۱۶۳۳

ترجمہ: ابراہیم بن مہاجرؒ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے زیاد بن حدیرؒ کو فرماتے ہوئے سنا: میں پہلا شخص ہوں جس نے اسلامی دور میں محصول (درآمد برآمد) لگایا۔ میں نے دریافت کیا: آپ کن تاجروں پر یہ محصول لگاتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہم مسلمان اور ذمی تجار پر محصول نہیں لگاتے تھے صرف بنو تغلب کے عیسائی تاجروں پر لگاتے تھے۔

البتہ مسلمان تجار سے ان کے اموال تجارۃ کی زکاۃ کے طور پر چالیسواں حصہ (ربع العشر) اور ذمی تاجروں سے جزیہ کے طور پر بیسواں حصہ (نصف العشر) لیا جائے گا۔ اور یہ سال میں ایک ہی بار ہو گا۔

اس سلسلہ میں صاحب ہدایہؒ کی یہ نظیر قابل توجہ ہیں۔

ویؤخذ من المسلم ربع العشر ومن الذمی نصف العشر ومن الحربی العشر (ہدایہ، کتاب الزکاۃ)

ترجمہ: مسلمان (تاجر) سے چالیسواں حصہ، ذمی سے بیسواں حصہ اور حربی سے دسواں حصہ لیا جائے گا۔

۵۔ تمام قسم کے محصول چنگی اور ایکسائز بالکل ناجائز ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس کی نظیر ہے۔

لا یدخل الجنۃ صاحب المکس [۱]

ترجمہ: محصول چنگی وصول کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس نظیر پر عمل کرتے ہوئے اپنے ایک گورنر کو لکھا۔

---

[۱] حوالہ بالا نمبر ۱۲۳۱

وضع عن الناس المکس و لیس بالمکس و لکنه البخس۔

ترجمہ: لوگوں سے محصول چنگی لینا بند کر دو کیونکہ یہ محصول نہیں بلکہ ظلم کا ٹیکس ہے۔[1]

مشہور عالم دین اور ماہر اسلامی اقتصادیات محمد حفظ الرحمان سیوھاروی نے اسلام کے تجارت خارجہ کے مسلک پر بحث کرتے ہوئے جو لکھا ہے وہ قابل توجہ ہے۔

" اسلام عالمگیر مذہب اور اخوت عالم کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ اس لیے وہ اس معاملہ میں ایسے ترجیحی سلوک کا قائل نہیں ہے جس سے ملکوں اور قوموں کے درمیان تجارت کے نام سے معاشی دستبرد اور تجارتی حسد و بغض پیدا ہو اور نتیجہ میں ایک کی غلامی اور دوسرے کی آقائی یا ایک کی خوشحالی اور دوسرے کی تباہی ظاہر ہو۔ اس لیے اس نے تجارت کے محصولات کے بارے میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا جس سے دوسروں کو نقصان پہنچے اور درآمد و برآمد پر اس قسم کی پابندیاں نہیں عائد کیں جو اس مہذب دور کی حکومتوں نے استحصال بالجبر کے لیے استعمال کر لی ہیں۔ اس نے تو فطرتی تقاضا کے مطابق یہی فیصلہ دیا ہے کہ " تجارت " معاشی ذرائع میں سے ایک بہترین ذریعہ ہے لہٰذا اس کو اپنے پرائے کا فرق کیے بغیر ٹیکسوں اور محاصل سے معاف رکھا جائیگا تاکہ خدا کی کائنات کے مختلف حصوں میں اشیائے ضرورت آسانی کیساتھ کی دی جا سکیں۔ اور خدا کی مخلوق محبت اور پریم کے ساتھ ایک دوسرے کا تعاون حاصل کر سکے اور خالق کائنات کی یہ ساری کائنات ایک برادری اور ایک ہی کنبہ بن جائے "[2]

---

[1] ابو عبید قاسم بن سلامؒ: کتاب الاموال، قاہرۃ، نمبر مسئلہ ۱۹۲۴

[2] محمد حفظ الرحمٰن سیوھارویؒ: اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۹ء، ص ۲۵۲-۲۵۳

باب ۸

اموالِ تجارت کی زکوٰۃ

چونکہ اس کتاب کا موضوع "اسلامی قانون تجارت" ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس میں تجارتی اموال کی زکاۃ پر بھی بحث کی جائے۔ چونکہ تجارت کو اللہ کریم نے اپنے بندوں کے لیے جائز کیا ہے جب کہ سود کو حرام قرار دیا ہے اور تجارت سے انسانوں کے اموال میں ترقی اور اضافہ ہوتا ہے لہٰذا تجارت کے جواز اور اس کے ذریعے سرمایہ میں اضافہ پر شکرانہ کے طور پر اسلام کے قانون تجارت نے صاحب ثروت تاجروں پر لازمی قرار دیا ہے کہ وہ اپنے ان غریب اور حاجت مند بھائیوں کا حصہ بھی نکالا کریں جو اپنی مالی اور دیگر مجبوریوں کی وجہ سے تجارت ایسے بابرکت پیشہ کو نہ اپنا سکے اور مفلوک الحال اور محتاج رہ گئے۔

اموال تجارت کیا ہیں:۔ فقہاء اسلام نے اپنی کتب فقہ میں اموال تجارت کے لیے "عرض التجارۃ" کا نام استعمال کیا ہے اس سے ان کی مراد نقود۔ سونا، چاندی اور نقد روپیہ کے سوا تمام وہ سامان ہے جو تجارت کی نیت سے خریدا اور بیچا جائے۔ یہ سامان ہر قسم کے منقول (Movable) اور غیر منقول (Immovable) مثلاً آلات، مشینری، کپڑوں، اشیاء خورد و نوش، زیورات، حیوانات، درخت، آراضی۔ مکان تجارتی حصص، تمسکات (Securities) سامان سرمایہ (Capital Goods) وغیرہ پر مشتمل ہے۔

نصاب :- اموال تجارت کا نصاب وہی ہے جو نقد کا ہے یعنی اگر سال گذرنے پر کسی تاجر کا مجموعی مال اور نقد سرمایہ ملا کر باون تولے چاندی کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو تو اس سے ۲½ فیصد شرح سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی - اس پر تمام فقہاء اسلام کا اتفاق ہے -

اموال تجارت کی زکوٰۃ کا وجوب :- اموال تجارت کی زکاۃ پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے اور اس وجوب کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں -

۱ - قرآن مجید سے استدلال :- یہ چند نظائر قابل توجہ ہیں -

۱ - یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ [۱]

ترجمہ : اے ایمان والو! ان پاکیزہ مالوں میں سے خرچ کرو جو تم محنت کر کے کماتے ہو اور اس میں بھی جو ہم تمہارے لیے، زمین سے نکالتے ہیں -

طبریؒ نے مشہور تابعی حضرت مجاہدؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے "من طیبات ما کسبتم" سے مراد ہے "جو کچھ تجارت کے ذریعے کماؤ" [۲] یہی رائے حسن بصریؒ، ابوبکر جصاصؒ ابن العربی اور امام رازیؒ کی ہے [۳]

امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے -

ظاھر الآیۃ یدل علی وجوب الزکاۃ فی کل مال یکتسبہ

---

[۱] سورۃ البقرہ (۲) : ۲۶۷

[۲] تفسیر طبری، سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۶۷ کی تفسیر

[۳] ابوبکر الجصاصؒ : احکام القرآن، ج ۱، ص ۵۴۳ - ابن العربیؒ: احکام القرآن، ج ۵ ص ۲۳۵

الانسان فیدخل فیه زکاۃ التجارۃ الخ [1]

ترجمہ: اس آیت کا ظاہر مفہوم ہر اس مال پر زکوٰۃ کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے جو انسان کماتا ہے۔ اس میں اموال تجارت پر زکوٰۃ بھی شامل ہے۔

۲۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا [2]

ترجمہ: ان کے مالوں سے صدقہ (واجب یعنی زکاۃ) وصول کیا کیجئے اس کے ذریعے انہیں پاکیزہ بنائیے۔

ابن العربیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً " عام فی کل مال علی اختلاف اصنافه وتباین اسمائه، فمن اراد ان یخصه بشئ فعلیه الدلیل [3]

ترجمہ: ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے کا حکم عام ہے اور مال کی تمام قسموں کو ان کی قسموں اور ناموں کے مختلف ہونے کے باوجود شامل ہے۔ اور جو کوئی مال کی کسی قسم (مثلاً اموال تجارت) کو اس حکم سے نکالنا چاہئے تو اس کو دلیل لانا پڑے گی۔

حدیث سے استدلال: یہ دو نمونے ملاحظہ ہوں۔

عن سمرۃ بن جندب قال: کان رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] امام رازی: تفسیر کبیر، ج ۱: ص ۳۴۳ سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۲۶۷

[2] سورۃ التوبۃ (۹): ۱۰۲

[3] شرح الترمذی: ج ۳، ص ۱۰۴

علیہ وسلم یامرنا ان نخرج مما نعد للبیع [1]

ترجمہ: حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اس مال میں سے زکاۃ نکالیں جسے ہم تجارتی مال شمار کرتے تھے۔

عن ابی ذرؓ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: فی الابل صدقتها، وفی الغنم صدقتها وفی البز صدقته [2]

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ اونٹوں میں زکوٰۃ ہے، بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ ہے اور کپڑے میں زکوٰۃ ہے۔

اس حدیث مبارکہ کا ٹکڑا "فی البز صدقتها" (تجارتی مقاصد کے لیے خرید کیے گئے) کپڑے میں زکوٰۃ ہے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارتی سامان میں سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا۔

آثار صحابہؓ اور تابعین: چند نظائر قابل توجہ ہیں۔

۱۔ عن عبد القاری (من قبیلة القار) قال: کنت علی بیت المال زمن عمر بن الخطاب فکان اذا خرج العطاء جمع اموال التجار ثم حسبها: شاهدها وغائبها، ثم اخذ الزکاة من شاهد المال علی الشاهد

---

[1] الدار القطنی: ص ۲۱۴۔ نصب الرایہ، ج ۲، ص ۳۷۶

[2] ابن حزم: المحلی، قاہرۃ، ج ۵، ص ۲۳۴۔ ۲۳۵

والغائب [1]

ترجمہ: قبیلہ قارہ کے ایک شخص (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں: میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیت المال پر مامور تھا جب وظائف دینے کا وقت آتا تو آپ تاجروں کے اموال اکٹھے کرتے اور ان کے (اموال کے) کھلے چھپے سب کا حساب لگاتے پھر ظاہر اور خفیہ اموال سے زکوٰۃ لیتے۔

۲۔ عن ابی عمرو بن حماس عن ابیہ قال: مر بی عمر فقال: یا حماس اد زکاۃ مالك۔ فقلت: مالی مالٌ الا جعاب وادم فقال: قومها قيمة ثم اد زكاتها [2]

ترجمہ: حضرت ابو عمرو بن حماس رضی اللہ عنہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گذرے اور مجھے فرمانے لگے اے حماس (رضی اللہ عنہ) اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو۔ میں نے عرض کیا: میرے پاس جعاب (تیروں کے غلافوں) اور کھالوں کے سوا کچھ نہیں۔ آپؓ نے فرمایا؛ ان کی قیمت لگاؤ اور پھر زکوٰۃ ادا کرو۔

یہ صاحبؓ تیروں کے غلافوں اور کھالوں کا کاروبار کیا کرتے تھے۔

۳۔ روی ابو عبید عن ابن عمر: لیس فی العروض زکاۃ الا ان تکون للتجارۃ [3]

ترجمہ: حضرت ابو عبیدؒ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں

---

[1] ابن حزم المحلی، قاہرۃ: ج ۶، ص ۳۴،

[2] ابن حزم: حوالہ بالا، ج ۵، ص ۲۳۵

[3] البیہقی: السنن الکبریٰ، ج ۳، ص ۱۴۷

نے فرمایا: سامان پر کوئی زکوٰۃ نہیں سوائے اس مال کے جو تجارت کے لیے ہو۔

۴۔ قال ابوعبیدؒ فی اموال التجارۃ: اجمع المسلمون علی ان الزکاۃ فرض واجب فیہا[1]

ترجمہ: حضرت ابوعبید قاسم بن سلام اموال تجارت کے بارے میں لکھتے ہیں: اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ ان میں زکوٰۃ فرض واجب ہے۔

تمام ائمہ اور فقہاء امت کا اموال التجارۃ میں زکوٰۃ کے وجوب پر اتفاق ہے۔

اموال تجارت پر زکوٰۃ کے مسائل

۱۔ مال تجارت صرف وہی ہوگا جو تجارت کے لیے فروخت کرنے کی نیت سے لیا ہوگا۔ البتہ اگر خریدا تو ذاتی استعمال کے لیے مگر بعد میں تجارت کی غرض سے بیچنے کی نیت کی تو یہ نیت اس وقت تک معتبر نہ ہوگی جب تک اس کے ساتھ عمل نہیں ہو گا یعنی جب وہ فروخت کرنا شروع کرے گا اس وقت یہ مال تجارت بن جائے گا اور اس وقت کے بعد اگر سال بھر یہ مال رہا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی[2]

۲۔ مشینیں اور آلات کارخانہ اور زرعی آلات مثلاً بیل، ہل، ٹریکٹر، تھریشر وغیرھا، درزی کی مشین اسی طرح دیگر پیشوں والوں کے آلات کار (جنہیں العروض الثابتہ کہتے ہیں) اموال تجارت نہیں ہیں لہٰذا ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ مکانات اور کارخانوں کی عمارت بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ البتہ مکانوں کے کرایوں سے حاصل شدہ رقم جس قدر سال بھر کے ختم تک باقی رہے گی اگر وہ چاندی کے نصاب سے بقدر

---

[1] ابوعبید قاسم بن سلامؒ: کتاب الاموال، قاہرہ ۱۲۹۰م

[2] عابدین: رد المحتار علی الدر المختار: ج ۲، ص ۱۸

ہے تو اس پر زکاۃ ہوگی ورنہ نہیں۔ یہی مسئلہ برتنوں، شامیانوں، سائیکلوں اور فرنیچر وغیرہ کے لیے ہے[1]

گو کارخانوں اور ملوں وغیرہ کی مشینوں اور آلات پر زکوٰۃ نہیں مگر ان سے جو مال تیار ہو گا اس پر زکاۃ ہوگی اسی طرح جو خام مال کارخانہ یا مل میں مصنوعات تیار کرنے کے لیے رکھا ہے اس پر بھی زکاۃ فرض ہوگی تیار اشیاء اور خام مال سب کی قیمت بازاری نرخوں سے لگا کر اس پر ۲½ فیصد زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ شرط یہ ہے کہ ان کی قیمت کا مجموعہ چاندی کے نصاب کے مساوی ہو[2]

۳۔ کمپنیوں کارخانوں، فیکٹریوں اور ملوں کے حصص (Shares) پر سال کے ختم پر زکوٰۃ ان حصص کی بازاری قیمت کے مجموعہ پر لگائی جائے گی، بشرطیکہ وہ مجموعہ چاندی کے نصاب کے برابر ہو۔ البتہ کمپنیوں۔ کارخانوں وغیرہ کا فرنیچر، آلات اور مشینیں وغیرہ کی قیمت بھی حصص میں شامل ہوتی ہے جو حقیقت میں زکاۃ سے مستثنیٰ ہیں لہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت ان کی قیمت حصص (Shares) کی مجموعی قیمت میں سے منہا کر دی جائے گی۔ اگر باقی مجموعہ چاندی کے نصاب کے برابر ہے تو زکاۃ دی جائے گی ورنہ نہیں[3]

۴۔ اگر ایک تاجر کے پاس سونا، چاندی، نقد روپیہ اور مال تجارت ہے مگر ان میں سے کوئی بھی علیحدہ علیحدہ نصاب زکوٰۃ کے بقدر نہیں ہے تو اس دیانتدار

---

[1] عبدالرحمان الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ج ۱، ص ۵۹۶ - ابو عبید: کتاب الاموال، ص ۳۷۵-۳۸۱
مرغینانی: الہدایہ، کتاب الزکاۃ، زکاۃ عروض التجارہ

[2] کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ج ۱، ص ۵۹۶ - ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۸

[3] ردالمحتار، ج ۲، ص ۱۸-۱۹

تاجر کو چاہیئے کہ وہ ان سب کی بازاری قیمت لگا کر ان کا مجموعہ کرے، اگر وہ مجموعہ چاندی کے نصاب کی قیمت کے برابر یا زیادہ ہے تو وہ زکاۃ ادا کرے گا ورنہ نہیں [1]

۵ - اس فریضہ زکاۃ کی ادائیگی میں تمام تجار برابر ہیں خواہ وہ کارخانہ دار ہوں یا دستی کھڈی والے، چھابڑی والے ہوں یا کسی بڑے شہر کے تجارتی مرکز Shoping Centre کے مالک، پرچون فروش ہوں یا سونے کے ڈیلرز (Dealers) نفع کمانے والے ہوں یا خسارہ اٹھانے والے۔ یہ تمام حضرات سال کے آخر پر اپنے اموال تجارت کا حساب لگا کر اگر اس کی مالیت چاندی کے نصاب کے برابر پائیں گے تو زکوٰۃ ادا کریں گے یہ جمہور فقہاء اسلام امام ابوحنیفہ، امام شافعیؒ امام احمد بن حنبل، امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ کی رائے ہے [2]

---

[1] مرغینانیؒ: الہدایہ، کتاب الزکاۃ، زکاۃ عروض التجارۃ. کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ج ۱، ص ۵۹۶

[2] ابن رشدؒ: بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، قاہرہ، ج ۱، ص ۲۶۰ - ۶۱ - علامہ زروق: شرح الرسالۃ، قاہرہ، ج ۱، ص ۷۸۔

مصادر و مراجع

اس کتاب کی تیاری میں جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کی ایک مختصر فہرست مختلف علوم و فنون کی ترتیب و تقسیم کے حساب سے درج کی جاتی ہے۔

۱۔ قرآن اور تفسیر

۱۔ ابو جعفر محمد بن جریر طبریؒ : جامع البیان فی تفسیر آی القرآن

۲۔ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشیؒ : تفسیر القرآن العظیم

۳۔ ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشریؒ : الکشاف عن حقائق التنزیل

۴۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی : الجامع لاحکام القرآن

۵۔ امام راغب اصفہانیؒ : معجم مفردات الفاظ القرآن

۲۔ حدیث

صحاح ستہ کے علاوہ ان کتب حدیث سے استفادہ کیا گیا ہے۔

ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالکؒ : موطا

ابو محمد عبد بن عبد الرحمٰن بن بہرام الدارمی (م ۲۵۵): مسند

ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی (۴۵۸ھ) : السنن الکبریٰ

ولی الدین ابو عبد اللہ الخطیبؒ : مشکوٰۃ المصابیح

علی المتقی بن حسام الدین برہان پوریؒ : کنز العمال فی سنن الاقوال والاعمال

احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ : فتح الباری، شرح صحیح البخاری

بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینیؒ : عمدۃ القاری، شرح صحیح البخاری

محمد بن علی الشوکانیؒ : نیل الاوطار

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمیؒ : مجمع الزوائد و منبع الفوائد، مکتبۃ القدسی، قاہرہ ۱۳۵۲ھ

۳۔ اصول فقہ

سیف الدین ابو الحسن بن ابی علی بن محمد الآمدیؒ: الاحکام فی اصول الاحکام، مطبع معارف قاہرہ ۱۹۱۴ء

ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبیؒ : الموافقات فی اصول الشریعۃ، مکتبہ تجاریۃ، مصر

۴۔ فقہ حنفی

محمد بن حسن الشیبانیؒ: شرح السیر الکبیر، قاہرہ

ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسیؒ شمس الائمۃ : المبسوط، مطبع سعادۃ، قاہرۃ ۱۳۳۱ھ

علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانیؒ : بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مطبع جمالیہ، قاہرۃ ۱۹۱۰ء

ابو جعفر احمد بن محمد الطحاویؒ : شرح معانی الآثار، مطبع مصطفائی، دہلی ۱۳۰۲ھ

ابو جعفر احمد بن محمد الطحاویؒ : مختصر الطحاوی : مطبع دار الکتاب العربی، قاہرہ ۱۳۷۰ھ

برہان الدین علی بن ابو بکر المرغینانیؒ : الہدایہ، مکتبہ امدادیہ۔ ملتان

فخر الدین حسن بن منصور الاور جندی : فتاویٰ قاضی خان، بولاق، قاہرۃ، ۱۳۱۰ھ

علاؤ الدین محمد بن امین ابن عابدینؒ : رد المحتار، مطبع میمنہ، مصر، ۱۳۱۸ھ

۵۔ فقہ مالکی

امام مالکؒ بروایت سحنون : المدونۃ الکبریٰ۔ مطبع خیریہ، مصر، ۱۳۲۴ھ

محمد بن احمد بن محمد بن احمد رشدؒ : بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد، مطبعۃ علمیہ، لاہور

۶ - فقہ شافعی

محمد بن ادریس شافعیؒ: کتاب الام

ابو اسحاق ابراہیم بن علی الشیرازی: المہذب

۷ - فقہ حنبلی

موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ: المغنی، مکتبہ المنار، قاہرۃ ۱۳۴۵ھ

تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہؒ: الحسبہ فی الاسلام، مطبع المؤید، مصر ۱۳۱۸ھ

۸ - دیگر کتب فقہ

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزمؒ: المحلی، مطبعۃ النہضۃ قاہرہ ۱۳۴۷

عبدالرحمان الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ بیروت

محمد بن محمد بن احمد القرشی ابن اخوۃ: معالم القربہ فی احکام الحسبہ، کیمبرج پریس، لندن ۱۹۳۸ء

ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری الماوردی: الاحکام السلطانیہ، مطبعہ محمودیہ، مصر

امام شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ

۹ - تاریخ و سیرت

ابو جعفر محمد ابن جریر طبری: تاریخ الملوک والامم، لیدن ۱۳۰۰ھ

احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری: فتوح البلدان، قاہرۃ ۱۳۲۰ھ

محمد ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، بیروت، ۱۹۵۷ء

ابو محمد عبدالملک بن ہشام: سیرۃ، بولاق، مصر ۱۲۹۵ھ

ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبۃ: کتاب المعروف

حسن ابراہیم حسن، ڈاکٹر: تاریخ اسلام، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۶۴ء

حسن ابراہیم حسن ڈاکٹر: انتشار الاسلام فی القارۃ الافریقیہ، قاہرہ ۱۹۶۴ء

جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمان بن الجوزی: سیرۃ عمر بن الخطاب، قاہرۃ ۱۳۴۲ھ

جمال الدین ابو الفرج عبد الرحمان بن الجوزی: سیرۃ عمر بن عبد العزیز، مطبع المؤید قاہرہ ۱۳۳۱ھ

فرید وجدی: دائرۃ المعارف الاسلامیہ، بیروت

ابن خلدون: مقدمہ

احمد بن ابی یعقوب بن واضح الخطیب الیعقوبی: تاریخ، نجف ۱۹۶۴ء

۱۰۔ جغرافیہ

ابو القاسم بن خرداذبہ الفارسی: المسالک والممالک، طبع لیدن ۱۳۰۶ھ

۱۱۔ اسلامی اقتصادیات و متعلقات

ابو یوسف یعقوب بن ابراہیمؒ: کتاب الخراج، مطبعۃ سلفیہ، قاہرۃ ۱۳۴۶ھ

ابو عبید قاسم بن سلامؒ: کتاب الاموال، قاہرۃ ۱۳۵۳ھ

محمد حفظ الرحمان سیوہارویؒ: اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین، دہلی ۱۹۵۹م

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ: اسلامی معاشیات، نفیس اکیڈمی، کراچی

پروفیسر یوسف الدین: اسلام کے معاشی نظریے، حیدر آباد دکن، ۱۳۶۹ھ، ۱۹۵۰م

نصیر الدین محمود نقشبندی: الدینار الاسلامی فی المتحف العراقی، بغداد ۱۹۵۳ء

تاج الدین احمد بن علی: النقود الاسلامیہ المسمّٰی بہ شذور العقود فی ذکر النقود نجف، ۱۹۶۷ء

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی: اسلام کا نظریہ ملکیت حصہ دوم، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور

محمد بن حبیب: کتاب المحبر، حیدر آباد۔ دکن سن طباعت درج نہیں

آٹھویں صدی ہجری کے عظیم نابغہ ابو اسحاق ابراہیم الشاطبی کی

شہرۂ آفاق تصنیف

الموافقات فی اصول الاحکام

کا

اردو ترجمہ زیر تکمیل ہے، اشاعت محدود ہوگی اس لیے خریدار حضرات ابھی سے مندرجہ ذیل پتہ پر اپنی فرمائش سے مطلع فرمادیں۔

مرکز تحقیق (ریسرچ سیل)

دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری نسبت روڈ ـــــ لاہور۔